جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی مُحدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مُدظلہٗ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جون ۱۹۹۶ء

محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

پانچ اندھیریاں پانچ چراغ

حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ تاریکیاں اور اندھیریاں پانچ قسم کی ہوتی ہیں اور ان ظلمتوں کو دُور کرنے کے لیے چراغ بھی پانچ قسم کے موجود ہیں۔

(۱) دُنیا کی محبّت تاریکی ہے، جس کا چراغ پرہیزگاری ہے۔

(۲) معصیت اور گناہ بھی ایک تاریکی ہے، جس کا چراغ توبہ و رجوع الی اللہ ہے

(۳) گوشۂ قبر بھی خانۂ تیرہ و تار ہے جس کا چراغ کلمۂ طیّبہ لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ ہے۔

(۴) غفلت و خود فراموشی سے آخرت میں بھی تاریکی سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا چراغ عملِ صالح ہے۔

(۵) اور پل صراط بھی ظُلمت ہی ہے جس کا چراغ یقین و ایمان کامل ہے۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ ۔ جون ۱۹۹۶ء شمارہ : ۹

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ۔۔۔۔۔ سالانہ		۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ۔۔۔	″	۴۵ ریال
بھارت ، بنگلہ دیش ۔۔۔۔۔۔	″	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ۔۔۔۔۔۔۔۔	″	۱۶ ڈالر
برطانیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔	″	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ

ماہ . . . . سے آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ

جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں ۔

ترسیل زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ... ۵۴، فون ۲۰۱۰۸۶-۲۷۳-۲۲۴ ۷۷۲، فیکس نمبر ۷۷۲۴۶۷۰۲ -

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ۔۔۔۔۔۔ ۳

درسِ حدیث ۔۔۔ حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ ۔۔۔ ۶

سیرۃِ مُبارکہ ۔۔۔ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاں رحمہ اللہ ۔۔۔ ۱۰

وفیات ۔۔۔۔۔۔ ۱۶

حیلے اور بہانے ۔۔۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ۔۔۔ ۱۷

اسلامی تاریخ کا ایک ورق ۔۔۔ مولانا محمد اعزاز علی صاحب ۔۔۔ ۲۲

احوال و آثار شیخ العرب والعجم ۔۔۔ حضرت سیّد نفیس الحسینی صاحب ۔۔۔ ۲۹

تحفۂ اصلاحی ۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۔۔۔ ۴۱

دار الافتاء ۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۔۔۔ ۵۱

حاصلِ مطالعہ ۔۔۔ حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب ۔۔۔ ۵۷

تقریظ و تنقید ۔۔۔۔۔۔ ۶۲

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

ہر ماہ اداریہ لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتا ہوں تو یُوں لگتا ہے کہ یہ سب کچھ سعیِ لا حاصل ہے کیونکہ حق کے خلاف باطل کی یلغار کو موجودہ دور میں جو تسلسل حاصل ہے اس میں کہیں انقطاع تو کجا روز بروز شدّت ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ بس ہر بار ذرا انداز کی تبدیلی ہوتی ہے، مگر مقصد ایک ہی ہوتا ہے کہ بے حیائی اور فحاشی پلپے مذہب اور مذہبی طبقہ سے نفرت پیدا ہو جوابًا ہمارا بھی مقصد ایک ہی ہے کہ لوگ گمراہی سے بچیں اور صحیح راستہ پر چلیں، اس لیے ہر بار ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا پچھلی باتوں کی تکرار ہے۔ بس ذرا انداز کی تبدیلی ہے۔ لہٰذا کچھ لکھنا محض تحصیل حاصل ہے، تو کیا فائدہ ؟ مگر قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السّلام کی بیان کردہ "آپ بیتی" سے خیال آتا ہے کہ ہمارا تعلق چونکہ طبقہ عُلماء سے ہے اور علماء انبیاء علیہم السّلام کے وارث ہیں۔ لہٰذا کچھ بھی ہو ہمیں ان کے طریقہ پر چلتے ہُوئے حق بات بیان کرتے ہی رہنا چاہیے نتیجہ چاہے جو بھی ہو۔ قرآن پاک حضرت نوح علیہ السّلام کی ساڑھے نو سو سالہ "آپ بیتی" اجمالاً یوں بیان فرماتا ہے۔

فرمایا "اے ربّ میں اپنی قوم کو دن رات پُکارتا رہا، مگر میری پُکار پر وہ مزید بدک جاتے ہیں میں نے جب کبھی اُن کو اسی خاطر بُلایا کہ تو اُن کی مغفرت کرے تو (بجائے مغفرت چاہنے کے) انھوں نے اُنگلیوں سے کان بند کر لیے اور اپنے اُوپر کپڑا لپیٹ لیتے (بطور نفرت ان کی شکل مُبارک دیکھنا گوارا نہ تھا) ضد اور ہٹ دھرمی کی اور خُوب خُوب تکبّر کرتے رہے میں نے

ان کو بڑے بڑے مجمعوں اور جلسوں میں جا کر سمجھایا پھر خوب وضاحت کے ساتھ کھول کر بھی ان کو سمجھایا، علیحدگی اور تنہائی میں بھی سمجھایا" اس تمام تر جدوجہد کا کیا نتیجہ رہا۔ چند آیتوں کے بعد قرآن اس کو بھی بیان کرتا ہے کہ اُنھوں نے کچھ اثر نہ لیا۔۔۔۔ دیکھیں سورۂ نوح پارہ ۲۹

چنانچہ ہم بھی طبقہ علماء سے ہونے کے ناطے اسوہ رسول کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ یہی دُنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے۔

گزشتہ ماہ ۱۷ مئی کے روزنامہ جنگ میں پنجاب اسمبلی کے اسپیکر حنیف رامے کا بیان شائع ہُوا جو اُنھوں نے پاکستان ٹی وی کی طرف سے منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کے دوران دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ موسیقی نبیوں کا شیوہ رہا۔ علماء اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ رامے صاحب جیسی شخصیت کی طرف سے اس قسم کا بیان داغنا کوئی غیر متوقع چیز نہیں ہے بلکہ قرینِ قیاس ہے۔ ان کے نظریات و کردار سے واقف شخص کے لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ خود اپنے بیان کی وضاحت نہیں کر سکے یا اخبارات نے چشم پوشی سے کام لیا ہے۔ عین ممکن ہے نبیوں سے اُن کی مراد مرزا غلام احمد قادیانی یا اس کی جنس کے دوسرے انبیاء مُراد ہوں۔ اس لیے بھی کہ انسان کی اپنی فطرت جس قسم کی ہوتی ہے، اسی قسم کے لوگوں کی طرف وہ مائل بھی ہوتا ہے۔ رامے صاحب کا اپنا شیوہ چونکہ دن رات طبلہ سارنگی تصویر کشی اور بے حیائی کا پرچار ہے اور علماء کو وہ ان کاموں میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اس لیے اُنھوں نے علماء کے مقابلہ کے لیے خود ساختہ نبیوں کا سہارا لینا چاہا ہے مگر ڈوبا ہُوا ڈوبتے کو کیا سہارا دے سکتا ہے۔ اس لیے ہمارا رامے صاحب کو مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ وہ اپنے کفریہ کلمات و عقائد سے تائب ہو جائیں ورنہ کم از کم ایک اسلامی ملک میں ان کے پرچار سے تو باز رہیں، کیونکہ اس ملک میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو اللہ کے بھیجے ہُوئے سچے نبیوں پر مکمّل ایمان رکھتے ہیں۔ اُن کے دِلوں میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہُوئے نبیوں کی محبّت و عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہُوئی ہے۔ رامے صاحب کا میراثیوں کے پیشہ کی نسبت انبیاء علیہم السّلام کی طرف کرنا اپنے کُفر کے اظہار کے ساتھ ساتھ مُسلمانوں کی دل آزاری کا بھی سبب ہے جس پر اُنھیں پُوری مسلم قوم سے معافی مانگنی چاہیے۔

قرآن وحدیث میں گانے بجانے کے ہر قسم کے آلات کا استعمال ممنوع وحرام قرار دیا گیا ہے۔ سوائے دف کے کیونکہ شادی بیاہ جیسے خوشی کے مواقع پر اس کو بجانے کی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔

ترجمہ: ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار (دلدادہ) ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بے سمجھے اور ٹھہرائیں اسی کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلّت کا عذاب ہے۔

حدیث شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں نفاق اس طرح اُگاتا ہے جیسے پانی سبزہ کو۔ ایک حدیث شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ انھوں نے موسیقی کی آواز سُنی تو کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اس راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف دُور چلے گئے اور کچھ دُور جانے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اے نافع تم کچھ سُن رہے ہو تو میں نے عرض کیا کہ نہیں تب انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور فرمایا کہ میں ایک بار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا تو آپ نے بانسری کی آواز سُنی تو ایسا ہی کیا تھا جیسا میں نے ابھی کیا حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت نابالغ لڑکا تھا (یعنی ورنہ تو وہ مجھے بھی ایسا کرنے کا حکم دیتے) مشکوٰۃ ص ۴۱۱ ج ۲ قرآن وحدیث سے تو اس کی حرمت پتہ چلتی ہے اور رامے صاحب کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کا شیوہ ہے۔ بجز اس کے اور کیا کہا جائے۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر قسم کے فتنہ سے اپنی حفاظت میں رکھیں۔

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر "منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہوکر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۹ سائیڈ اے ۱۶ اپریل ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَظْھَرُ الْکِذْبُ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَحْلِفُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ وَیَشْھَدُ وَلَا یُسْتَشْھَدُ اَلَا مَنْ سَرَّہٗ بُحْبُوْحَۃُ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ وَلَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھُمْ وَمَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَ تْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کی تعظیم و تکریم کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں۔ پھر وہ جو اُن کے قریب

[1] مشکوٰۃ ص: ۵۵۴

ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین) پھر جھوٹ ظاہر ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا، حالانکہ اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہیں ہو گا، اور گواہی دیگا حالانکہ اس سے گواہی دینے کو نہ کہا جائے گا، یادرکھو جو شخص جنّت کے بالکل درمیان رہنا چاہے تو اُس کو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑلے۔ کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی بن جاتا ہے جو خود رائے اور جماعت سے) علیحدہ اور تنہا ہوتا ہے۔ شیطان تو دو شخصوں سے بھی (جو اجتماعیت و اتحاد کے ساتھ ہوں) دُور بھاگتا ہے اور ہاں کوئی مرد کسی اجنبی (یعنی غیر محرم عورت) کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے کیونکہ اُن کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ نیز جس شخص کو اس کی نیکی خوشی اور اطمینان بخشے اور اس کی بدی اس کو غمگین و مضطرب کر دے وہ مؤمن ہے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اَکْرِمُوْا اَصْحَابِی میرے صحابۂ کرام کا اکرام کرتے رہو فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ کیونکہ وہ تم میں زیادہ بہتر ہیں زیادہ پسندیدہ ہیں ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ پھر اُنکا درجہ ہے جو اُن کے بعد آئیں گے اور پھر اُنکا درجہ ہے جو اُن کے بعد آئیں گے۔ سب سے بہتر دَور اور سب سے بہتر لوگ وہ تو صحابۂ کرام ہیں، اُن کے بعد درجہ آتا ہے اُن لوگوں کا کہ جنھوں نے صحابۂ کرام کو دیکھا ہے اور پھر تیسرا دَور وہ ہُوا کہ جنھوں نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنھوں نے صحابۂ کرام کو دیکھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا آگے کو ایسا کہ جہاد کے لیے جو لشکر گیا ہُوا ہو گا، اس میں پُوچھا جایا کرے گا۔ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیا تم میں کوئی آدمی ایسا ہے جس نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل کیا ہو؟ تو لوگ کہہ دیا کریں گے کہ ہاں ہیں ایسے آدمی، فَيُفْتَحُ لَهٗ وہ فتح یاب ہو جایا کریں گے، یعنی ان کی برکت ہو گی کہ وہ فتح یاب ہو جایا کریں گے۔ کامیابی ہو گی، پھر ایسا زمانہ آئے گا دوسرا دَور آجائے گا یہ پُوچھا جایا کرے گا کہ کوئی ایسا آدمی ہے لشکر میں جس نے صحابۂ کرام کو دیکھا ہو۔ صحابہ کے ساتھ رہا ہو؟ تو کہا جایا کرے گا۔ لشکر میں ایسا آدمی موجود ہے تو فتح و کامیابی نصیب ہو گی، پھر تیسرا درجہ بھی آئے گا مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایسا آدمی جس نے ان لوگوں کو دیکھا ہو کہ جنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابیوں کو دیکھا ہو تبعِ تابعین تو کہا جایا کرے گا

کہ موجود ہے ایسا آدمی یُفْتَحُ لَہٗ اس وقت بھی فتح حاصل ہوجایا کرے گی۔

اسی طرح کا مضمون اور حدیث شریف میں بھی آتا ہے اور فتوحات کا دور بھی معلوم ہوتا ہے اس میں۔ اور پھر جہاں جہاں یہ حضرات گئے ہیں وہاں اسلام ایسا مستحکم ہوگیا کہ اوّل تو وہاں حکومت رہی ہی مسلمانوں کی وہاں کی حالت ہی بدل گئی تھی اکثریت ہی مسلمان ہوگئی جہاں جہاں صحابہ کرام یا تابعین وغیرہ گئے اور آج تک وہاں اسلام ہی چلا آرہا ہے۔ مسلمان ہی اکثریت میں چلے آرہے ہیں یہ تو کم از کم بات ہے جو ہوتی ہے ورنہ حکومت بھی وہاں آج تک چلی آرہی ہے۔ مسلمانوں کی ہی غلبہ درمیان میں انگریزوں کو دوسری قوموں کو ہوا ہے۔ وہ ختم ہوگیا۔ سارا علاقہ اسی طرح کا ہے، یمن ہے شام ہے عراق ہے، ایران ہے افغانستان ہے اس سے آگے ہمارا علاقہ بھی، یہ اسی طرح آتا ہے کہ اس میں اکثریت ہوگئی مسلمانوں کی یہاں تک آئے ہیں تابعین محمد بن قاسمؒ وغیرہ۔ شمال میں بخارا ہے، تاشقند ہے۔ آذر بائیجان ہے۔ یہ سب وہ علاقے ہیں جن میں وہ گئے ہیں۔ اسی طرح ترکی ہے۔ ترکی میں بھی یہی ہے یا مسلمان یا مسلمانوں کی حکومت۔ اِدھر شام، لبنان، ترکی، فلسطین، اُدھر مصر ہے۔ دوسرے برِّ اعظم افریقہ میں مصر سے آگے لیبیا میں گئے اس سے آگے مراکش میں گئے اور الجزائر بربر سارا علاقہ یہ تو صحابہ کرام ہی تھے جو وہاں تک جا چکے وہ ایسے ہوئے کہ آج تک وہ اکثریت میں ہیں انڈونیشیا میں تو تاجر پہنچے ہیں۔ لشکر کشی نہیں کی وہاں کے ایسے ہی حالات پائے گئے۔

تو اس حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ اِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ وہ تم میں سب سے بہتر ہیں اُن کی دل کی حالت جو ہے وہ بہت اچھی ہے ان کا خُدا سے تعلّق بہت بڑا ہے ایمان ان کا بڑا قوی ہے۔ اور وہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تم میں

اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کا درجہ جب بلند ہوگا تو خُدا کے نزدیک جو مقرب ہوجائے تو اُس نے تو سب سے بڑا مقام حاصل کرلیا۔ پھر دُنیا کی چیزیں اس کے تابع ہوجاتی ہیں۔ بعد میں درجہ اُن کا پھر درجہ اُن کا پھر درجہ اور کسی کا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ اَلَامَنْ سَرَّہٗ بُحْبُوحَۃُ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ کہ اگر کوئی آدمی یہ چاہتا ہے کہ جنّت میں اُسے اعلیٰ مقام حاصل ہو "بُحبوحۃ" وسط یعنی اعلیٰ تو اسے چاہیے کہ صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ رہے، کیونکہ جماعت جو شروع ہوئی ہے۔ صحابہ ہی سے شروع ہوئی ہے۔ پہلے فقط رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم، بعد میں آپ کا پیغام آگے بڑھانے والے

صحابہ ہیں فقط، تو جماعتِ صحابہ کے ساتھ رہے۔ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ
اگر ان سے ہٹ کر اِکّا دُکّا کوئی جاتا ہے تو وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جائے گا۔

جو اِکّا دُکّا ادھر کہیں چلا جاتا ہے تو جیسے اس کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو چور پکڑ لیں اور آسانی سے اسے نقصان پہنچا سکیں اسی طرح شیطان بھی اُسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ اور وہ دو سے زیادہ ہوں دو جمع ہو جائیں پھر زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے اور ایک نصیحت ارشاد فرمائی وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ کوئی آدمی کہیں بھی ہو اور اس کے ساتھ عورت تنہا ہو، ایسے کبھی کہیں جمع نہ ہوں اس کا خیال رکھتے رہیں۔ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ۔ وہاں شیطانی خطرات پہنچ جاتے ہیں تیسرا شیطان شریک ہو جاتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔

ایک بات ارشاد فرمائی انسان کی نیکی اور بُرائی کے پہچان کی۔ ہر آدمی یہ پہچان سکتا ہے کہ میری حالت کیا ہے۔ ایک پیمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَائَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

جس آدمی کو نیکی کر کے خوشی ہوتی ہے اور بُرائی کر کے دِل بُرا ہوتا ہے بس وہ مؤمن ہے۔ نیکی کرے اور اس کے دل کو سکون مل رہا ہو۔ نیکی سے اور بُرائی کرے اور دل میں بے چینی ہوتی ہو پیدا، تو اسے خوش ہونا چاہیے، اُس کی یہ حالت اچھی حالت ہے۔ مُبارک حالت ہے۔

اس طرح سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی چیزیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ان حدیثوں میں، اور صحابہ کرام کو بہت اہم مقام عنایت ہُوا ہے۔ اللہ کی جانب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے اور اس کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے محبت اور عقیدت عطا فرمائے۔

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

انوارِ مدینہ

(قسط : ۴۵)

شب و روز کے حالات و معمولات اور اُنکے آداب و دُعائیں

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

جو حالات و معمولات ذیل میں بیان کیے جارہے ہیں۔ اُن کے متعلق بہت سی دُعائیں روایات میں وارد ہیں۔ حضراتِ محدثین نے اُن کو ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ہم یہاں مختصر آداب اور صرف ایک ایک دُعا پیش کررہے ہیں۔ نمونہ اور مثال مقصود ہے۔ استیعاب کا نہ مقام ہے نہ مقصود۔ اللہ تعالیٰ ان نمونوں پر ہی عمل کی توفیق بخشے۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

معمولاتِ شب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ایک تہائی رات تک نمازِ عشاء پڑھ لی جائے۔ اس کے بعد آرام کیا جائے۔ قصہ کہانی اور باتوں کے لیے مجلس جمانا درست نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سوجانے اور نمازِ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے[1]۔ البتہ سفر یا علمی یا ملی ضرورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں[2]۔

ارشاد ہوا جب آپ سونے کا ارادہ کریں تو وضو کیجیے۔ جیسے نماز کے لیے وضو کی جاتی ہے[3] جب لیٹنے کا ارادہ کریں تو پہلے بستر کو جھاڑ لیں[4]۔ لیٹنے لگیں تو یہ دُعا پڑھیں[5]۔

بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ — تیرے ہی نام پر اے میرے پروردگار میں نے اپنی کروٹ (بستر پر) رکھی ہے اور تیرا ہی نام لے کر اُس کو

---

[1] حدیث ابی ہریرہ ترمذی شریف باب کراہۃ النوم قبل العشاء والسمر بعدہا [2] ترمذی شریف۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فی السمر بعد العشاء [3] بخاری شریف ص ۹۳۴ [4] ایضاً [5] ایضاً۔ [6] احقر کا رسالہ "دُعائیں" ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں تمام دُعائیں جمع کردی ہیں۔ ترجمہ بھی ساتھ ہے اور دُعاؤں پر زیر زبر بھی لگادیے ہیں۔

نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔

اُٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روک لے (اسی حالت میں انتقال ہو جائے) تو اس پر رحم فرما اور اگر میری جان کو چھوڑ دے (زندگی میں بیدار ہو جاؤں) تو اسکی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

پھر آپ دہنی کروٹ پر لیٹیں۔ داہنا ہاتھ رُخسار کے نیچے رکھ لیں اور یہ دُعا پڑھیں[2]۔

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَهْبَةً وَ رَغْبَةً اِلَيْكَ۔

اے اللہ میں نے اپنی ذات تجھے سونپ دی اپنا معاملہ تیرے سُپرد کر دیا۔ اپنی کمر تیری پناہ میں دیدی تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے تیری رحمت اور تیرے لُطف و کرم کی طرف رغبت کرتے ہوئے۔

لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ۔

نہیں کوئی پناہ اور نہ تجھ سے نجات پانے کی جگہ۔ مگر تیری ہی طرف (تیرا ہی دامن)

اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَ بِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ۔

میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تُو نے نازل کی اور ایمان لایا میں تیرے نبی پر جس کو تُو نے بھیجا۔

حضرت[2] فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بھی بتایا تھا کہ جب سونے کو لیٹو تو اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل ہو اللہ اور معوذ تین بھی تین تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔ ہر مرتبہ دونوں دستِ مُبارک پر دم کرتے۔ دونوں ہاتھ بدن کے سامنے کے حصے پر پھیر لیتے تھے[3]

بیداری کے وقت یہ دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

تمام تعریفیں اُس خُدا کے لیے جس نے ہمیں زندہ کیا اس کے بعد کہ ہمیں مار دیا تھا (سلا دیا تھا) اور اللہ ہی کی طرف ہے مرنے کے بعد زندہ ہو کر جانا۔

---

[1] بخاری شریف ص۹۳۴ [2] بخاری شریف ص۹۳۵ [3] بخاری شریف ص۹۳۵ و ص۷۵۰۔

نیز یہ دُعا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ وَمُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ۔ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَ اَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ	اے اللہ اے آسمانوں کے پروردگار زمین کے پیدا کرنے والے اور عرش عظیم کے مالک اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے مالک اور پروردگار دانے کو پھاڑنے والے، گٹھلی کو چیرنے والے (جس سے پودا نمودار ہو) تورات انجیل اور قرآن کو نازل کرنیوالے مَیں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسکی تو پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہے جو تیرے قبضہ قدرت میں ہے اے اللہ تو ہی ہے اول۔ پس تجھ سے پہلے کوئی نہیں اور تو ہی آخر پس کوئی نہیں جو تیرے بعد ہو اور تو ہی ہے ظاہر بس تیرے اُوپر کوئی نہیں اور تو ہی ہے باطن بس تیرے ورے (تجھ سے) زیادہ نزدیک کوئی نہیں ادا کردے ہمارے ذمّہ سے قرض اور بے نیاز کردے ہم کو فقر سے۔

تہجد کے وقت جو دُعائیں پڑھا کرتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھی۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اے اللہ تیرے ہی لیے ہے سب تعریف تو ہی ہے قائم رکھنے والا آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان میں ہیں اور تیرے ہی لیے ہے، تمام تعریف تو ہی ہے نور (رونق) آسمانوں کی زمین کی اور ان تمام چیزوں کی جو اُن میں ہیں۔

ا؎ بخاری شریف ص۹۳۴

۲؎ مسلم شریف ص۳۴۸

وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ	اور تیرے ہی لیے ہے حمد۔ تو ہی بادشاہ آسمانوں کا
الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ	زمین کا اور ان سب کا جو ان میں ہیں اور تیرے
وَعْدُكَ الْحَقُّ وَ لِقَاءُكَ	لیے ہی ہے۔ تعریف تو ہی ہے حق تیرا وعدہ
حَقٌّ وَ قَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ	حق تیرے سامنے حاضر ہونا حق تیرا قول حق
حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ	جنّت حق دوزخ حق تمام انبیاء حق
وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ	محمد حق، قیامت حق۔ اے اللہ میں تیرا
حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ	مطیع ہوں، تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر ہی بھروسہ
اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ	رکھتا ہوں، تیری ہی طرف رجوع ہوتا ہوں
اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ	اور تیرے ہی لیے مخاصمت کرتا ہوں
وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ وَ بِكَ	اور تجھ ہی کو اپنا منصف بناتا ہوں
خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ	پس بخش دے ان (گناہوں) کو جو
فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ	مَیں نے آگے کیے اور جو پیچھے کیے اور
وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ	جو چھپا کر کیے اور جو علانیہ کیے اور وہ تمام
وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ	گناہ جن کو میں نہیں جانتا تو اُن کو مجھ سے بہت
بِهٖ مِنِّيْ لَا اِلٰهَ اَنْتَ اَنْتَ	زیادہ جانتا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں
الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا	ہے۔ تو ہی ہے آگے لانے والا اور تو ہی
اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔ وَلَا اِلٰهَ	ہے پیچھے رکھنے والا۔ صرف تو ہی معبود ہے۔
غَيْرُكَ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ	تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور نہیں کوئی غور و
اِلَّا بِاللّٰهِ ۔	فکر کی طاقت (تدبیر) نہ کوئی عمل کی قوت تیرے بغیر

نمازِ تہجد اور دُعاء

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کو اپنے بچپن ہی میں شوق ہُوا کہ دیکھیں آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تہجّد کس طرح پڑھتے ہیں، چنانچہ رات کو خالہ میمونہ کے یہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب رات کا ایک حصّہ گزر گیا تو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بیدار ہوئے۔ قضا حاجت کے بعد آپ

مشکیزہ پر تشریف لے گئے جو لٹکا ہوا تھا۔ بڑے اطمینان سے پوری طرح وضو کیا۔ اچھی طرح مسواک فرمائی، اسی اثناء میں آپ نے سورۂ آلِ عمران کا آخری رکوع پورا پڑھا۔ پھر آپ نے اطمینان سے نماز شروع کی۔ میں نے آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نیت باندھ لی۔ آپ نے دستِ مبارک میرے کان پر رکھا اور مجھ کو دائیں جانب کر لیا[۱]

تہجد کے بعد آپ نے جو دعا مانگی اس میں یہ بھی تھا[۲]

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَ	اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے
فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَ فِیْ سَمْعِیْ	میری ساعت میں نور بھر دے
نُوْرًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ	میرے دائیں نور کر دے میرے بائیں
یَسَارِیْ نُوْرًا وفوقی نُوْرًا وتَحْتِیْ	نور کر دے میرے اوپر نور کر دے میرے
نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا	نیچے نور کر دے میرے آگے نور کر دے
وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا۔	میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور مقرر کر دے۔

تہجد میں قرأت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں عموماً گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پہلے چار رکعت۔ مت پوچھو وہ کس قدر طویل اور کس قدر پُر لطف ہوتی تھیں۔ پھر چار رکعت۔ مت پوچھو کہ وہ کس قدر طویل اور کس قدر پُر کیف ہوتی تھیں۔ پھر تین رکعت پڑھا کرتے تھے[۳]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے چار رکعتوں میں چار سورتیں ختم کیں۔ سورہ بقر۔ سورہ آلِ عمران۔ سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا سورہ الانعام (گویا) ایک چوتھائی قرآن شریف پڑھ لیا[۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بڑھاپے کی وجہ سے ضعف غالب ہو گیا تو آپ قرأت بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے[۵]

تاریکیٔ شب انہیں انوار سے منور رہتی تھی۔ یہاں تک کہ سپیدۂ صبح طلوع ہوتا تھا اور مؤذن اذان پڑھتا اُس وقت آپ فجر کی دو رکعت پڑھتے اور تھوڑی دیر داہنی کروٹ پر لیٹ[۶] کر آرام فرما لیتے اور کبھی ایسا ہوتا صبح صادق

۱ـ بخاری شریف ص۲۲ و ص۲۵ و ص۳۰
۲ـ بخاری شریف ص۹۳۵
۳ـ بخاری شریف ص۱۵۴
۴ـ ابوداؤد باب مایقول فی الرکوع
۵ـ بخاری شریف ص۱۵۴
۶ـ ایضاً ص۱۵۵۔

سے کچھ پہلے نوافل سے فراغت پاکر کچھ دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ مؤذن کی اذان پر اُٹھ جاتے اور وضو فرماکر نمازِ صبح کے لیے تشریف لے جاتے[1]

وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورہ والذاریٰت)

اوقاتِ سحر (آخر شب) میں وہ استغفار کیا کرتے ہیں۔

وقتِ صبح لُطف کی بات یہ ہے کہ رات بھر کے مجاہدہ اور ریاضت کے بعد بھی احساس یہی ہے کہ حقِ عبودیت ادا نہیں ہُوا۔ لہٰذا صبح ہو رہی ہے تو یہ استغفار پڑھا جا رہا ہے جس کو اہلِ علم سیّد الاستغفار کہتے ہیں۔

سیّد الاستغفار

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ۔ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ ۔ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔	اے اللہ تو ہی میرا رَبّ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھ کو پیدا کیا، مَیں تیرا بندہ ہوں میں تیرے عہد پر اور تیرے وعدے پر (قائم ہوں) جہاں تک میں طاقت رکھتا ہُوں مَیں اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اور اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا جو تیرے حق میں مَیں نے کیا بس میرے بخش دے بے شک تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا جو گناہ مَیں کر چکا ہوں اُن کے شر سے بچنے کے لیے تیری پناہ لیتا ہُوں۔

---

[1] بخاری شریف ص ۱۵۴

[2] بخاری شریف ص ۹۳۳

وفیات

مؤرخہ ۶ رمئی کو جناب ہمایوں صاحب کے والد محترم خواجہ محمد رشید صاحب طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّآ الیہ راجعون۔ مرحوم عرصہ سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور کچھ عرصہ سے گلے میں کینسر کی شکایت بھی ہوگئی تھی۔ جامعہ اور اہلِ جامعہ سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ بہت ملنسار اور گرم جوش دوست تھے جس سے بھی ملتے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اہلِ جامعہ کے بہت اچھے پڑوسی تھے۔ چند ماہ سے اپنے صاحبزادہ ہمایوں صاحب کے ہمراہ رہائش تبدیل کر کے فیصل ٹاؤن منتقل ہو گئے تھے۔ باپ بیٹے کی دُوری کا یہ احساس ابھی اہلِ جامعہ کے لیے تازہ تھا کہ ہمایوں صاحب کے والد بزرگوار کی وفات نے دلوں کو مزید غمزدہ کر دیا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

○

گزشتہ ماہ کی ۲۱ تاریخ کو جامعہ کے بہی خواہ اور بہترین پڑوسی جناب سعید صاحب طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اِنّا للّٰہ واِنّآ الیہ راجعون مرحوم جامعہ کی مسجد کی رونق تھے۔ اکثر تسبیح لیے مسجد میں بیٹھے ذکر میں مشغول رہتے ایک نماز سے فراغت کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں اکثر اُن کا یہی معمول رہتا، مسجد کی مرمت رنگ و روغن کی ہر وقت فکر رہتی معتکفین کی دل وجان سے خدمت کرتے اور دُعائیں لیتے۔۔۔۔ ماشاء اللہ یہی جذبہ وفکر اُن کے چھوٹے بھائی جناب حفیظ صاحب اور اُن کی اولاد کا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی نیکیوں کو قبول اور گناہوں سے درگزر فرما کر بلند درجات سے نوازے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے شر اور فتنہ سے حفاظت فرما کر اپنے دین کی خدمت کی بہت بہت توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم (قسط : ٢)

حیلے اور بہانے

⑤ اس کا جواب کہ سب نیک ہو جائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی؟

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سب ہی نیک ہو جائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی؟ گویا یہ لوگ گناہ کر کے اور دوزخی بن کر اللہ تعالیٰ پر احسان کر رہے ہیں اور اس کی دوزخ کو بھرنے میں مدد دینے کے لیے اپنی جان کو جلنے کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

دوزخ کی لمبائی چوڑائی

درحقیقت ان لوگوں کو دوزخ کی لمبائی چوڑائی کا پتہ ہی نہیں ہے وہ تو اتنی بڑی ہے کہ کروڑوں افراد انسان اور جنّات جب اس میں داخل ہو جائیں گے۔ تب بھی وہ خالی رہ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو پُر فرمائیں گے۔ وہ بھی اس طرح سے کہ وہ سکڑ جائے گی[1] جیسا کہ حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ہزار دو ہزار جاہل جو یہ کہتے ہیں کہ ہم گناہ نہ کریں تو دوزخ کس سے بھرے گی۔ اُن کے دوزخ میں جانے سے دوزخ کی گہرائی چوڑائی کے پُر کرنے میں کیا سہارا مل سکتا ہے، بندہ کا کام ہے کہ حکم پر چلے گناہوں کو چھوڑے اور دوزخ سے بچنے کی کوشش کرے۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بار بار دُعا میں کہے اور وہ اس فکر میں کیوں پڑے کہ دوزخ کس سے بھرے گی؟

سچی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں کرنے والوں کو یا تو جنّت، دوزخ پر یقین نہیں (اور یہ کفر ہے) اور یا

---

[1] فینزوی بعضہا الی بعض (مشکوٰۃ المصابیح ص٥٠٥)

دوزخ کے دردناک عذاب کا حال معلوم نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دوزخ تو نانی جی کا گھر ہے۔ وہاں جاتے ہی مٹھائی ملے گی۔ اس لیے اس کی تیاری کر رہے ہیں اور اس کے بھرنے والوں میں شمار ہونے کو فخر سمجھ رہے ہیں، اُنھیں معلوم ہونا چاہیے۔ دوزخ کی آگ اتنی گرم ہے کہ دُنیا والی آگ میں انہتر درجہ اسی قدر گرمی اور ملادی جائے تب دوزخ کی آگ کی برابر اس میں گرمی آئے گی (جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں) دُنیا والی آگ جو دوزخ کی آگ کے مقابلہ میں معمولی حرارت رکھتی ہے اس کو پانچ منٹ بھی ہاتھ میں لینے کو تیار نہیں اور بے عمل ہو کر دوزخ کی آگ میں جلنے کو تیار ہیں۔ فما اصبرھم علی النّار

⑥ بعض جاہلوں کا یہ اعتراض ہے کہ ہمیں پیدا ہی کیوں کیا؟

کچھ لوگوں سے اس طرح کے فقرے بھی سُنے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ہم نے کیا تار بھیجا تھا کہ ہمیں پیدا کر دے؟ ہماری درخواست کے بغیر ہمیں پیدا بھی کر دیا اور پھر دوزخ بھی بنادی، پیدا کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟

یہ جاہل خُدائے پاک کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں اپنے کو بے قصور العیاذ باللہ خدائے پاک کو قصوروار ٹھہراتے ہیں، خدائے پاک پہ اعتراض کرنا کُفر ہے جس کی سزا ہمیشہ ہمیش کے لیے دوزخ ہے۔ جب دوزخی دوزخ میں جانے لگیں گے تو یہ حیلہ کام نہ دے گا کہ ہم نے جو اعتراض اُٹھایا تھا کہ ہمیں پیدا کیوں کیا؟ اس کا جواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ اس کی شان ہے اس سے کسی کو پرسش کرنے کا کوئی حق نہیں، یہ انسانوں کی بدبختی ہے کہ خدائے پاک نے جو وجود بخشا ہے اس نعمت کو قدر کرنے اور اس نعمت کو موت کے بعد کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے اُلٹی ناشکری کرتے ہیں اور پیدا کرنے والے پر اعتراض کر رہے ہیں کہ ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ان اعتراضوں سے دوزخ سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ پیدائش سے پہلے اپنی پیدائش کی کیا خواہش ہوتی آپ تو معدوم تھے جس کا وجود ہی نہیں وہ کیا درخواست کر سکتا ہے؟ اب جبکہ پیدا کرنے والے نے اپنے اختیار سے پیدا فرمادیا اور اس نے موت کے بعد جنّت و دوزخ بھی رکھ دی، اور ہر ایک میں جانے کے اعمال سے بھی باخبر فرما دیا تو اسی میں خیر ہے کہ دوزخ کے کاموں سے بچیں اور جنّت کے کاموں میں لگیں۔ اعتراض بازی اور زبان درازی میدانِ آخرت میں کام نہ دے گی۔ وہاں کے لیے تو مومن صالح ہو کر جانا ضروری ہے۔

⑦ اس اعتراض کا جواب کہ شیطان کو پیچھے کیوں لگایا؟

کچھ لوگ خدائے پاک پر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے شیطان کو پیچھے کیوں لگا دیا۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ اعتراض بہت بڑا حیلہ ہے جس کے ذریعہ دوزخ سے بچ جائیں گے۔ یہ بھی جاہلانہ اعتراض ہے۔ خدائے پاک نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے آزمائش میں بھی مبتلا فرمایا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۝	بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

پیدا فرمانا اور آزمائش میں ڈالنا یہ سب اس کے حکمت کے موافق ہے، اسی آزمائش میں سے یہ بھی ہے کہ شیطان اور اس کی ذریت سب انسان کی دشمنی میں لگے ہوتے ہیں، اُن کی کوشش ہے کہ جیسے ہم کو دوزخ میں جانا ہے ایسے ہی سارے انسان بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں، اگر شیطان پیچھے لگایا ہے تو انسان کو اس کے دفع کرنے کے لیے قوّت ارادی بھی تو عطا فرمائی ہے شیطان کو دفع کرو۔ اس کے بہکاؤں اور وسوسوں کو پاؤں کے نیچے روندتے ہوتے آگے بڑھ جاؤ، آزمائشوں میں کامیاب ہونے پر اور شیطان کو ذلیل کرکے گناہ چھوڑنے اور نیکیاں اختیار کرنے پر ثواب بھی تو بہت بڑا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ہمّت و ارادہ پر قابو پانے کا ارادہ کرے تو شیطان کی حیثیت اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا[1] (بلاشُبہ شیطان کی تدبیر کمزور ہوتی ہے) جو مؤمن بندے شیطان سے بچنا چاہتے ہیں وہ بچ کر رہتے ہیں اور شیطان کی تدبیروں کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں، اعمال میں کچّا خود بنے ہمّت خود ہارے اور شیطان کے بہکانے کا بہانہ کرے۔ یہ کوئی سمجھ داری نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ نساء ع ۱۰

شیطان کا قابو کن لوگوں پر چلتا ہے۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہے

اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ہ اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ

یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا قابو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کا تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شیطان کا قابو ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں جب شیطان ورغلائے فوراً اس کی طرف سے توجہ ہٹائے اور اللہ کی طرف رجوع ہو اور گناہ سے بچے، اگر آج شیطان کی بات مانی تو وہ کل کو بھی منوائے گا اور پھر دوستی کرلے گا اور وہ دوستی زیادہ سے زیادہ گناہ کرانے کی باعث ہوگی مؤمن کا کام ہے کہ ہمّت کرے اور شیطان کو دفع کرے، اس کے وسوسوں میں نہ آئے، خدائے پاک پر اعتراض کرکے اپنے کو مزید مجرم نہ بنائے۔ گناہ بھی کرے اور خدائے پاک پر اعتراض بھی، یہ بہت بڑی بدبختی ہے، برخلاف اس کے شیطان سے جان چھڑائے اور ہمت و حوصلہ سے کام لے اسی میں خیر ہے۔

⑧ بے عملی کے لیے توفیق کا بہانہ اور توفیق کا مطلب

ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو اپنی بے عملی کے لیے توفیق کا بہانہ کرتے ہیں، یعنی یُوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے کہ ہمیں نماز و روزہ اور دوسرے عملوں کی توفیق عطا فرمائے کبھی کہتے ہیں کہ دُعا کیجیے کہ ہدایت ہوجائے، درحقیقت ان لوگوں کو توفیق کا معنٰی معلوم نہیں ہے، عُلمائے کرام نے توفیق کا معنٰی بیان فرماتے ہُوئے لکھا ہے کہ ھُوَجَعْلُ الْاَسْبَابِ مُوَافِقَۃً لِلْخَیْرِ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کام کرنا چاہے اس کے کرنے کے اسباب مہیّا ہوں۔ بس یہی توفیق ہے۔

ہر شخص اپنی قدرت وطاقت کو دیکھ لے، عمل کرنے کے لائق طاقت و استطاعت کا موجود ہونا ہی توفیق ہے اگر

مال ہے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے تو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہی توفیق ہے۔

اگر اتنا مال ہے جس پر شرعًا حج فرض ہے تو حج کی ادائیگی کے لیے یہی توفیق ہے، قواعد شرعیہ کے مطابق کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر جس طرح نماز پڑھنے کی قدرت ہو، بس یہی توفیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کی طاقت بھی دی ہے، جسمانی طاقت ہو یا مالی وسعت ہو اس طاقت و وسعت کا ہونا توفیق ہے۔ توفیق کوئی بجلی کی طاقت کا نام نہیں ہے کہ کرنٹ پہنچے اور خود بخود مجبورًا مشین کی طرح حرکت کرنے لگے۔ توفیق ہوتے ہُوئے بھی اپنا اختیار استعمال کرنا پڑتا ہے۔

ایک سیٹھ کو ایک بزرگ کا جواب

ہمارے ایک بزرگ سے بمبئی کے رہنے والے ایک سیٹھ صاحب نے کہا کہ دُعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے حج کی توفیق عطا فرمائے، اُنھوں نے فرمایا کہ جس روز حاجیوں کا جہاز روانہ ہونے لگے مجھے بلا لیجیے گا میں آپ کو پکڑ کر جہاز میں سوار کردوں گا۔ اس فرمان کا مطلب یہ تھا کہ پیسہ موجود ہے، ہاتھ پاؤں صحیح سالم ہیں ٹکٹ خرید سکتے ہیں جہاز میں بیٹھ سکتے ہیں اور کون سی توفیق کا انتظار ہے؟ اپنا اختیار استعمال نہیں کرنا چاہتے تو مجھے بلالیں میں زبردستی جہاز میں بٹھا دوں گا۔ توفیق ہوتے ہُوئے اپنے اختیار کو کام میں نہ لائیں یہ سراسر خود فریبی ہے توفیق ہوتے ہوئے بے توفیقی کا بہانہ ترکِ فرائض و واجبات کے لیے عذر نہیں بن سکتا

دُعا کریں اللہ ہمیں ہدایت دے

بہت سے لوگ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ دُعا کیجیے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے ان کو اللہ تعالیٰ نے توفیق تو دے رکھی ہے، لیکن اس کو اپنے اختیار سے کام میں نہیں لاتے اور دُعا کرانے کے عنوان سے اپنی بے عملی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح یُوں کہنا کہ دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے، یہ بھی نفس کا حیلہ ہے اللہ جل شانہٗ نے اپنا رسول بھیج دیا (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی کتاب نازل فرما دی۔ فرائض و واجبات سمجھا دیے گناہوں کی فہرست بنا دی، عقل دے دی، کیا یہ ہدایت نہیں ہے، رسول اللہ ؐ اور کتاب اللہ کے بعد اور کونسی ہدایت کا انتظار ہے جس کے لیے دُعا کرائی جارہی ہے، نفس کو عمل پر آمادہ کریں، نفس حیلے سمجھا کر بے عمل رہنا چاہتا ہے۔ اس پر قابو کریں۔ فالکیس من دان نفسہ۔

اسلامی تاریخ کا ایک ورق

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جب کسی شخص کے پاس کوئی امانت رکھ دی جاتی ہے تو وہ اُس کی حفاظت کا عرفاً و شرعاً ذمہ دار ہوجاتا ہے اگر امانت ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے تو اُس شخص کا فریضۂ حفاظت بھی زیادہ مؤکد نہیں ہوتا ہے اور اگر امانت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے تو تحفّظ کا فرض بھی اس پر زیادہ مؤکد ہوتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ شخص دونوں ایک ہی درجہ کے پابند ہیں جن میں سے ایک کے پاس ایک پیسہ بطور امانت رکھا گیا ہے اور دوسرے کے پاس چند کروڑ روپیہ ظاہر ہے کہ کوئی صاحب بصیرت اس مساوات کا قائل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح پر اگر ایک ادنیٰ درجہ کا شخص کوئی چیز بطور امانت سپرد کردے تو وہ اس قدر اس کی حفاظت میں مشغول نہ ہوگا۔ جس قدر کہ وہ شخص تحفّظ میں انہماک کرے گا جس کے پاس کسی بادشاہ نے کوئی چیز رکھوائی ہو۔

ان دونوں مثالوں کے بعد غالباً اس امر کو یقین کرلینے میں کسی کو تامل نہ ہوگا کہ ذمّہ داری کے فرائض اگر مال کے کم اور زیادہ ہونے سے کم و بیش ہوتے ہیں تو اسی طرح امانت رکھوانے والے کی جلالت قدر اور عظمت کو بھی امانت کی عظمت گھٹانے بڑھانے میں دخل تام ہے۔

مثلاً اگر کوئی بادشاہ کسی کے پاس کوئی حقیر چیز مثلاً چند پیسے بطور امانت رکھ دے تو اگرچہ بادشاہ کی سطوت امین کو حفاظت پر مجبور کرے گی، لیکن مال کی کم وقعتی اس سے وہ حفاظت نہ کرادے گی جو کہ اس وقت کرنی پڑتی جبکہ بادشاہ نے اُس کے پاس شاہی خزانہ کو بطور امانت رکھوادیا ہوتا۔ اور اسی طرح اگر کوئی بادشاہ شاہی خزانہ کو کسی کے حفاظت میں دے دے تو محافظ اس کی حفاظت بے شک اپنی جان سے زیادہ کرے گا، لیکن

یہ حفاظت بھی اس حفاظت سے کم ہو گی جو کہ اس وقت کرنی ہوتی جبکہ بادشاہ اپنے لختِ جگر کو اُسکی حفاظت میں دیتا۔

اگر مال کی وقعت کی کمی یا زیادتی کے ساتھ ہی امانت رکھوانے والے کی عظمت کو بھی ذمّہ داری کے بڑھانے میں دخل نہیں ہے تو آخر ان مثالوں میں تفاوت کیوں ہے؟

اس قدر عرض کرنے کے بعد ہم کو بطور علوم متعارفہ کے دو باتیں اور عرض کرنی ہیں۔

(۱) اگرچہ اولاد سے باپ کو بھی زیادہ محبّت ہوتی ہے لیکن ماں کی محبّت باپ کی محبّت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے، لیکن ماں کی محبّت اس محبّت سے بدرجہا کم ہے جو خالق عالم کو اپنی مخلوق سے ہے۔

اس امر کے لیے زیادہ کنج وکاو کی ضرورت نہیں۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کا تتبع اس کو بدیہات میں سے ماننے پر مجبور کرے گا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ (بیہقی)	خدا کی مخلوق خداوندعالم کے لیے بمنزلہ عیال کے ہے اس لیے وہ لوگ خداوندعالم کے نزدیک محبوب تر ہیں جو ان کے ساتھ سلوک کریں گے۔

(۲) احکم الحاکمین اور آسمان و زمین کے خالق کا مرتبہ ہر مرتبہ سے بالاتر ہے۔

ان دونوں باتوں کو مان لینے کے بعد اس میں بھی کوئی تردد نہ ہونا چاہیے کہ بادشاہ پر حفاظت رعایا کی ذمّہ داریاں اس قدر عائد ہوتی ہیں کہ اس قدر ذمّہ داریاں کسی دوسری چیز میں بمشکل نکل سکیں گی۔ کیونکہ اگر ایک طرف رعایا کو بادشاہ کی حفاظت میں دینے والا (خلاق عالم تعالیٰ شانہ) تمام مرتبوں میں بالاتر ہے تو دوسری طرف ایسی چیز اس کی حفاظت میں دی گئی ہے جو کہ وقعت و عظمت میں اس کے نزدیک شاہی اولاد سے زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ قتل نفس معصومہ اکبر کبائر میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کو ناحق قتل کر دینے والا اس وعید شدید کا مستحق ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا	اور جو مار ڈالے کسی مسلمان کو قصدًا تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ اُس میں ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غضب ٹوٹا اور اس پر اللہ کی پھٹکار اور اللہ نے تیار کیا ہے اُس کے لیے بڑا عذاب۔

پس جبکہ تحفظ رعایا کے فرائض عام انسانوں میں سب سے زیادہ سلطان پر عائد ہوتے ہیں تو ہم اس پر کیونکر تعجب نہ کریں کہ بادشاہ کو آرام سے نیند آتی ہے۔ وہ بے فکری سے پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔ وہ لہو و لعب میں بسر کرتا ہے۔ بال بچوں سے ہنستا بولتا ہے۔

کیونکہ اس پر تو ایسا ناقابل تحمل بوجھ رکھ دیا گیا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی وقت اطمینان کی صورت نہیں۔ اور اگر اس امانت سے ذرا بھی غفلت ہوگی تو یہی سلطنت وبال جان ہوگی جس وقت کہ اس کو سب سے بڑی جبروت والے بادشاہ (خداوند عالم) کے سامنے پیش کیا جاوے گا اور اس سے نہ صرف اس کا مواخذہ ہوگا کہ تو نے رعیت کے فلاں فلاں بیکس افراد پر ظلم کیا یا کم از کم یہ کہ اُن کی خبر گیری نہ بلکہ اُس کی مملکت میں جہاں کہیں اور جس کسی سے بھی ظلم ہوا ہوگا وہ ظالم کے اعمالنامہ میں تو درج ہوگا ہی بادشاہ کا اعمال نامہ بھی ان ماتحتوں کے مظالم سے سیاہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر بادشاہ کی قسمت پھوٹی ہوئی ہے تو یہ مظالم تمام عالم کے پہاڑوں سے بڑے بڑے ہو کر سامنے آویں گے اور افسوس کہ سلطنت اس وقت باعث ندامت ہوگی جبکہ چارۂ کار کچھ بھی نہ ہوگا۔

لیکن جن کو خداوند عالم نے نُورِ بصیرت سے محروم نہیں کیا اور جن کی عقل کو اندھا نہیں کر دیا وہ اس امانت کی حفاظت کا حق ٹھیک اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح ادا کرنا چاہیے اور اپنی تمام قوتیں رعایا کی آسائش میں صرف کر دیتے ہیں اور اسی وجہ سے بارگاہ ایزدی میں درجات عالیہ اور مراتب فائقہ حاصل کرتے ہیں۔

جن سلاطین کو قادرِ مطلق نے اپنی اس امانت کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائی وہ فی الحقیقت مبارکباد اور تہنیت کے قابل ہیں کہ وہ دُنیا میں بھی نیک نام اور باعزت رہے اور آخرت میں بھی دائمی نعمتوں سے فائز ہوئے۔

اور جن بادشاہوں سے یہ نہ ہو سکا کہ وہ رعایا کی آسائش کی فکر کریں اور اگرچہ اپنے آپ کو راحت و آرام نصیب نہ ہو مگر رعایا کو آرام سے ہی رکھیں تو میرے خیال میں اُن کی تعزیت کرنی چاہیے کہ ان کے لیے بہت جلد "حور بعد الکور" (نفع کے بعد نقصان۔ عزت کے بعد ذلت) ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ اگر آج مسند آرائے سلطنت ہیں تو روز قیامت میں فی الدرك الاسفل من النار ہو کر واویلاہ اور واثبوراہ پکاریں گے۔

العظمۃ للہ! کیا یہ جبروت جو ان گرفتاران غفلت اور بے بصیرت بادشاہوں کو آج حاصل ہے

ہمیشہ حاصل رہے گا۔ اور کیا قیامت کے دن اُن کی بادشاہی ذرّہ برابر بھی کام آوے گی اور کیا یہی بادشاہی اُن کے گلے میں دائمی لعنت کا طوق نہ ڈالے گی۔

بے شک! ایسے ہی سلاطین کے لیے بادشاہی بادشاہی نہیں بلکہ غلامی کی ذلّت سے بدتر ہے یہ سلطنت ٹھیک اس مسموم شیرینی کی طرح ہے جو کھانے والے کو چند منٹ نہیں بلکہ چند سکنڈوں میں قید ہستی سے آزاد کر دے گی تو لعنت اس بادشاہت پر اور تُف ہے اُس سلطنت پر۔

اِس مختصر سی گزارش کے بعد ہم سُلطان نُورالدین کے عدل کا ایک نمونہ دکھاتے ہیں جس سے تم کو بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ تم کو یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ بادشاہ اپنی رعایا کے حالات سے کس طرح باخبر رہتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گا کہ رعایا کے ادنیٰ افراد کی شکایتیں اس کے نزدیک کس قدر قابل وقعت ہوتی ہیں یہ بھی مخفی نہ رہے گا کہ کمزوروں کی شکایتیں اگرچہ شاہی حاشیہ نشینوں اور ارکان سلطنت ہی سے کیوں نہ ہوں۔ عادل بادشاہوں کے لیے قابلِ توجہ ہوتی ہیں۔ یہ نتیجہ بھی نکل آوے گا کہ رعایا کی شکایتوں کے ازالہ میں اگرچہ شاہی خزانہ بھی خالی ہو جاوے تب بھی شاہی انصاف کا مقتضا یہی ہے کہ وہ اپنے سارے اندوختہ کو رعایا کی آسائش پر سے نثار کر دے اور اُن کے ضعیف قلوب کو اپنا گرویدہ بنالے

سلطان نورالدین چھٹی صدی کے گیارھویں سال میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۵۴۱ھ میں تخت نشین ہوا، ممالک شام اُن کے قبضہ میں تھے۔

سلطان کا خاندان بھی مجمع محاسن تھا اور نسلاً بعد نسل اُن کے اوصاف حسنہ ترقّی پذیر تھے ہم کو اس وقت اُس خاندان کی تاریخ سُنانا مقصود نہیں ہے اس لیے ہم اس کو چھوڑ کر اس قدر عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ سلطان نُورالدین ان تمام اوصاف میں ممتاز تھا جو کہ سلاطین کے لیے ضروری ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف شجاعت تھی تو دوسری طرف سخاوت اور رحم بھی۔ اگر مجرموں کے لیے قہر خُداوندی کا نمونہ تھا تو طالبان عفو کیلئے مغفرت و رحمت کا خاکہ۔ اگر خالق عالم نے ظالمین کے لیے شمشیر بے نیام بنایا تھا تو ازالۂ ظُلم کے بعد وہ درپے انتقام بھی نہ ہوتا تھا۔

ابن اثیر نے سُلطان ممدوح کے انصاف کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کو ہم پیش کش ناظرین کرتے ہیں۔

سُلطان نورالدین نے دمشق کو دارالسلطنت بنایا اور اُس کے ارکان دولت رؤسائے سلطنت اور قواد عساکر بھی اسی کے ساتھ دمشق میں مقیم ہُوئے۔ ان تمام امرائے سلطنت میں اسدالدین شیرکوہ نامی ایک رئیس تھا جو ان امرا میں شمار کیا جاتا جن کا درجہ بادشاہ کے بعد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سلطنت کی چند خدمتیں بھی اس نے

ایسی انجام دی تھیں جن کی وجہ سے وہ سُلطان ممدوح کی ناک کا بال سمجھا جانے لگا تھا۔ اور شدہ شدہ عام رعایا کے دلوں میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا تھا کہ اسدالدین شریک سلطنت ہے۔

ارکان سلطنت اور حکام بالعموماً اور افراد افواج خصوصاً رعایا کے مال پر دست تظلم دراز کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اگر یہ مان لیا جاوے کہ یہ لوگ رعایا کے جان و مال کو حلال نہیں سمجھتے تو کم از کم طرزِ عمل یہ ضرور بتاتا ہے کہ اُن کی نظروں میں ان کی حرمت بھی نہیں ہے۔

بناءً علیہ ان لوگوں نے رعایا کے مال و متاع پر دست درازی کی اور ہر شخص نے اپنے قریب رہنے والوں کو ستانا شروع کر دیا۔

رعایا کو سلطان ممدوح کے عدل و انصاف پر اعتماد تھا اس لیے چھوٹا ہو یا بڑا جب کسی نے کسی کو ستایا اور اُس نے اُسی وقت قاضی کمال الدین سے شکایت کی اِدھر شکایت ہوئی اُدھر فوراً تحقیقات ہو کر ظالم کو ظلم کی سزا دی گئی۔ کمال الدین نے ظالموں کو سزا دینے میں پوری سرگرمی کا اظہار کیا، مگر اس قدر کوتاہی بھی کی کہ جن لوگوں نے اسدالدین کے ملازموں کی شکایت کی اُن کی فریاد نہ سُنی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسدالدین کا نام لینا سہل نہیں۔ یہ خبر سلطان ممدوح کو بھی پہنچی۔

سلطان ممدوح نے اس شکایت کو بغور سُنا، لیکن نہ تو مجرمانہ حیثیت سے اسدالدین کو طلب کیا اور نہ علانیہ ان مظالم کی تحقیقات کی بلکہ ایک بہت بڑی عمارت بنائے جانے کا حکم دیا جس کا نام دارالعدل تجویز کیا گیا اور جس کی نسبت یہ اعلان کیا گیا کہ جس شخص کو کسی کی نسبت شکایت کرنی ہو وہ اس جدید قصر شاہی میں آکر شکایت کرے اُس کی تحقیقات کی جاوے گی۔

اسدالدین نے اس اعلان پر مطلع ہوتے ہی اپنے ملازموں کو بُلایا اور کہا کہ جب ہر شخص کی شکایتیں کمال الدین سُنتا اور مظالم کی تحقیقات کر کے واجب اور معقول سزائیں دیتا ہے تو سلطان نے اتنی بڑی تعمیر شروع کرا کر بیت المال کا روپیہ کیوں برباد کیا؟ سبھوں نے عرض کیا کہ ہم کو خود بھی یہی حیرت ہے۔ اسدالدین نے کہا کہ خوب سمجھ لو! تجربہ شاہد ہے کہ سلطان کا کوئی کام لغو نہیں ہوتا۔ اس لیے میں تم بتاتا ہوں کہ سلطان نے یہ بڑی تعمیر صرف میری وجہ سے کی ہے ورنہ کمال الدین کی سزائیں ہر شخص کے لیے کافی ہیں۔ اُس کے اختیار سے اگر باہر تھا تو میں تھا۔ اس لیے تم اچھی طرح سے سُن لو۔ میں قادرِ مطلق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی کے ظلم کی شکایت سلطان تک پہنچی اور اس شکایت کی وجہ سے مجھ کو دارالعدل میں حاضری کی نوبت آئی تو یاد رکھو!

سلطان مجھ کو تو سزا دیں یا نہ دیں، لیکن جس کی وجہ سے مجھ کو مجرمانہ حیثیت سے دارالعدل میں حاضر ہونا پڑے گا۔ میں اُس کو سولی چڑھائے بغیر نہ رہوں گا۔ اس لیے تم لوگ جا کر اُن لوگوں کو مال دے دلا کر راضی کر لو جن سے تمہارے جھگڑے ہوئے اور اُن کو راضی کرنے میں جس قدر مال صرف ہوگا وہ میں اپنے پاس سے دوں گا جس طرح بنے تم اُن لوگوں کو راضی کر لو خواہ اس راضی نامہ میں میرا سارا سامان صرف کیوں نہ ہو جائے، ملازموں نے کہا کہ جب لوگوں میں یہ خبر ہو جاوے گی کہ امیر اسدالدین پر اس قدر خوف سوار ہے تو وہ ایک ایک کے بجائے سو سو پر بھی بمشکل تمام راضی ہوں گے۔ اسدالدین نے کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی نہ رہے میں فاقہ کر لوں۔ بدن پر کپڑا نہ رہے، ننگا پھروں یہ سب کچھ میرے لیے آسان بلکہ آسان تر ہے، مگر یہ ناقابلِ برداشت کہ سلطان کی نظریں مجھ پر اس طرح پڑیں جس طرح کہ ایک مغرور ظالم پر پڑتی ہیں یا یہ کہ تحقیقات کے وقت عام آدمیوں کے ساتھ مجھ کو کھڑا کیا جاوے۔

آخر یہی ہوا کہ اُسکے ملازموں نے ہر ایک کی خوشامد کی اور ہر ایک کو بہت بہت سا مال دے دلا کر راضی کیا اور راضی نامہ پر گواہیاں کرا لیں۔

جب دارالعدل بن کر تیّار ہو گیا تو سلطان نے اُس میں اپنا اجلاس شروع کیا۔ اجلاس ہر ہفتہ میں دو دن ہوتا تھا اور ان دعاوی کے فیصلے تنہا نہ کرتا تھا بلکہ قاضی اور فقہاء کا مجمع ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرز کو ایک مدّت گزر گئی، لیکن اسدالدین کے متعلق ایک نے بھی دعوٰی دائر نہ کیا تو ایک روز سلطان نے کمال الدین سے کہا کہ اسدالدین کا شاکی تو کوئی ایک شخص بھی نہ نکلا۔

کمال الدین نے اسدالدین کا سارا قصّہ سنا کر عرض کیا کہ جہاں پناہ اسدالدین نے تو اسی وقت سب کو راضی کر لیا تھا جبکہ دارالعدل کی تعمیر شروع ہی ہوئی تھی۔ سلطان ممدوح اُسی وقت سر بسجدہ ہو کر کہنے لگے کہ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے میرا امراہی اُن لوگوں کو بنایا ہے جو اپنے جھگڑوں کو ہمارے سامنے پیش ہونے سے قبل خود ہی طے کر لیتے ہیں۔

ابن اثیر نے اس واقعہ کو بیان کر کے فذلکہ کلام کے طور پر جو الفاظ بیان کیے ہیں اُن کا یہاں پر ذکر کرنا شاید بے محل نہ ہوگا۔

فانظر الیٰ هذه المعدلة ما احسنها
و الی هذه الهیبة ما اعظمها والی
هذه السیاسة ما اسدها هذا مع
انه کان لا یریق دما ولا یبالغ فی

ذرا اس انصاف کی عمدگی کو بنظر غور دیکھو اور اس شاہی
ہیبت کی عظمت پر نظر ڈالو اور انتظام سلطنت کی درستی
پر غور کرو۔ یہ ساری باتیں بھی سلطان ممدوح میں خونریز
نہ ہونے اور حد سے زیادہ سزائیں نہ دینے پر تھیں

عقوبة وانما كان يفعل هذا صدقه في عدله وحسن نيته۔	حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مافوق الطاقت کام تو اس سے اس لیے صادر ہوتے تھے کہ وہ سچا انصاف کرنے والا اور نیت کا اچھا تھا

اس کے آخر میں ہم کو تتمہ کے طور پر سلطان ممدوح ہی کا ایک اور واقعہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے جس سے نہ صرف اُس کی عدل پسندی ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احکام شریعت کا کس قدر متبع تھا۔

سلطان ممدوح دمشق میں ایک مرتبہ چوگان کھیلنے میں مصروف تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر دو شخصوں پر جا پڑی جو کہ میدان کے باہر کھڑے ہوتے باتیں کر رہے تھے اور اُن میں سے ایک سُلطان کی طرف اس طرح اشارہ کر رہا تھا جس طرح کوئی مجرم کی گرفتاری کے لیے اشارہ کرتا ہے۔ سلطان ممدوح نے اسی وقت اپنے غلام کو اُن دونوں کے پاس بھیجا کہ دریافت کرے کیا بات ہے۔ غلام نے جاکر دریافت کیا تو اُن میں سے ایک بولا کہ مَیں نے سلطان پر قاضی کمال الدین کے اجلاس میں فلاں زمین کی بابت نالش دائر کی تھی۔ قاضی نے اس چپراسی کو میرے ساتھ اس لیے کر دیا ہے کہ وہ سلطان کو محکمہ قضا میں حاضر ہونے پر مجبور کرے۔ غلام واپس آیا تو ہیبت سلطانی کی وجہ سے ہمت نہ ہوئی کہ اُن کے اس بیان کو ادا کرے۔ سُلطان کے دریافت کرنے پر کبھی کچھ کہا کبھی کچھ، مگر سلطان بھی بیوقوف نہ تھے کہ اُس کی باتوں میں آجاتے۔ غلام کو سچّی بات بتانے پر مجبور کیا اور جب نالش کا حال معلوم ہُوا تو فوراً گوئے و چوگان کو ہاتھ سے ڈال کر چپراسی کے ساتھ ساتھ ہو لیے اور محکمہ قضا میں حاضری سے پہلے بذریعہ اپنے غلام کے قاضی سے کہلا بھیجا کہ میں مدعا علیہ کی حیثیت سے تمہارے اجلاس میں آرہا ہوں تم میرے ساتھ بالکل اسی طرح پیش آنا جس طرح دوسروں کے ساتھ پیش آتے ہو، چنانچہ قاضی کمال الدین نے بھی سلطان ممدوح سے بالکل اسی طرح معاملہ کیا جس طرح کہ قاضی ہونے کی حیثیت سے ان کو مدعا علیہ کے ساتھ کرنا چاہیے تھا۔

ثبوت وغیرہ پیش ہونے کے بعد معلوم ہُوا کہ مدعی کا دعوٰی بے بُنیاد ہے۔ اس لیے خارج کیا گیا اور زمین سلطان ہی کی مملوکہ قرار دی گئی۔ سلطان نے حاضرین اجلاس کی موجودگی میں وہ زمین اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی اور کہا کہ مجھ کو تو ابتداء سے ہی یقین تھا کہ اس زمین کا مالک میں ہی ہوں، مگر مَیں نے حاضری عدالت سے انکار بایں وجہ نہ کیا کہ لوگ مجھ کو ظالم نہ کہیں۔ اب جبکہ یہ بات سب کو معلوم ہوگئی ہے کہ یہ زمین میری مملوکہ ہے تو اب میں اس کو ہبہ کرتا ہوں۔

اس واقعہ کے بعد بھی ہم اُنھیں الفاظ کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں جو ابن اثیر نے بیان کیے ہیں۔

شخصیات

حضرت سیّد نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

(قسط:۲، آخری)

احوال و آثار

شیخ العرب و العجم

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ

حضرت گنگوہیؒ کا چھاپہ

"نقشِ حیات" میں ہے:

" سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔ جب مولانا رشید احمد صاحبؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحبؒ نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو، جب میں حکم کروں سب کے سب ایک دم فیر کرنا، چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے سے گزری تو سب نے یک دم فیر کیا، پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کتنے آدمی ہوں جو یہاں چھپے ہوتے ہیں۔ توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے لاکر ڈال دیا۔" ص۴۴

معرکۂ شاملی ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

اس فتح سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوگئے اور انھوں نے شاملی کی طرف پیش قدمی کی، چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ نے ایک لشکر کے ساتھ وہاں سخت حملے کیے اور تحصیل

کے دروازے کو آگ لگا دی۔ مُسلمانوں نے انگریزی فوج کے چھکّے چھڑا دیے۔ مجاہدین میدانِ جنگ میں غالب تھے کہ تقدیر نے پانسا پلٹ دیا

حافظ محمّد ضامن صاحبؒ کی شہادت

"حیاتِ امداد" میں ہے:

"ناگاہ ایسا پانسا پلٹا کہ حضرت حافظ محمّد ضامن[1] صاحبؒ کی ناف کے نیچے گولی

---

[1] امام العاشقین حضرت حافظ محمّد ضامن صاحبؒ کو یقین تھا کہ مجھے آج شہادت کا جام پینا ہے۔ اُنھوں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ بوقتِ شہادت یعنی نزع کے وقت میرے پاس رہنا، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ آپ کو گولی لگنے کے بعد قریب کی مسجد میں لے گئے اور اپنے زانو پر حافظ صاحبؒ کا سر رکھا اور اسی عالم میں یہ شہیدِ اُلفت اپنے حقیقی محبوب سے جا ملا۔ یہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کا واقعہ ہے۔ (حیاتِ امداد ص۱۷)

مولانا عبد السمیع صاحب بیدل رام پوری، مؤلّف انوارِ ساطعہ (م ۱۹۰۱ء) نے قطعۂ تاریخِ وفات لکھا:

شہید ہو گئے ضامنِ علی پاک نہاد — جواب جن کا نہ تھا کوئی نسلِ آدم میں
ہُوئے شہید مگر اک تماشہ دکھلا کر — لہُو لہان کیا دُشمنوں کو اِک دم میں
نہ چھوڑی نام کو گردن کہیں نصاریٰ کی — گلو بریدہ ہے سکّہ بھی اُن کا درہم میں
جو مارے تیر تو لگتے ہی جا لیا گوشہ — ہزاروں کافرِ بدکیش نے جہنّم میں
خدا کو پیارے ہُوئے آخرش شہید ہُوئے — نہ دِل میں تاب ہے باقی نہ کچھ تواں ہم میں
جو پُوچھا سِن شہادت کہا فلک نے کہ ہائے — "ہُوئے شہید وہ شاہ جری محرّم میں"
۱۲۷۴ھ

مولانا بیدل نے ایک اور تاریخ بھی نکالی:

بیدل آں وقت کہ حافظ ضامن — رفت و آراست بجنّت مسند
شاد رضواں شد و گفت ایں تاریخ — "حافظِ مصحفِ ایزد آمد"
۱۲۷۴ھ

(حیاتِ امداد ص۱۷ بحوالہ "مونسِ مہجوراں" (نسخہ خطی در مدرسہ صولتیہ مکہ مکرّمہ)

لگی اور وہ شہید ہو گئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

اب انگریزوں کی فوج کا پلّہ بھاری ہُوا اور مجاہدین کی پسپائی ہُوئی۔ کمپنی کی قوّت بہت زیادہ تھی۔ انگریزوں نے شاملی کے بعد تھانہ بھون پر قبضہ کر لیا اور جو بھی ہاتھ لگا، اس کو قتل کرا دیا اور اُن کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ خانقاہِ امدادیہ جہاں بزرگوں کا اجتماع رہتا تھا اُس کو بھی آگ لگا دی گئی۔" ص ۶۵

وارنٹ گرفتاری

"مجاہدین کے وارنٹ جاری ہُوئے ـــــ حاجی صاحبؒ تین دن گنگوہ، پھر انبالہ تنگری پنجلاسہ میں مقیم رہے۔ یہیں راؤ عبداللہ صاحب کے اصطبل میں آپ کو تلاش کیا گیا لیکن آپ کرامت سے پکڑے نہ گئے۔ پھر وہاں سے سندھ کو ہوتے ہُوئے کراچی پہنچے اور وہاں سے مکّہ معظّمہ پہنچ گئے۔ مولانا محمّد قاسم صاحبؒ تین دن تو گھر میں چھپے رہے پھر باہر نکلے، لیکن حکومت کے ہاتھ نہ آئے، مولانا گنگوہیؒ حکیم ضیاء الدّین صاحب رامپوری منہاران ضلع سہارن پور کے مکان سے گرفتار ہُوئے اور چھ مہینے جیل میں رہے۔ آخر ثبوت نہ ملنے کے باعث چھ ماہ کے بعد رہا ہُوئے۔" ص ۶۵

مولانا رشید احمدؒ کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا

مولانا ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ "ایک حکیم صاحب جو اعلیحضرت (حاجی امداداللہ صاحب) کے مُریدؑ انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفرِ حج میں شریک تھے۔ فرمایا جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیل خانہ میں تھے۔ اعلیحضرت حاجی صاحبؒ ایک دن فرمانے لگے کہ میاں کچھ سُنا، کیا مولوی رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا؟ خُدّام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں، ابھی تو کوئی خبر آئی نہیں۔ فرمایا، ہاں حُکم ہو گیا، چلو۔ یہ فرما کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ حکیم صاحب کا بیان ہے کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیحضرت اور مَیں غالبًا مولانا مظفر حسینؒ صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے۔ شہر سے باہر نکل کر تھوڑی دُور جا کر اعلیحضرت گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اُوپر اُٹھائی اور فرمایا، چلو، مولوی رشید احمد کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا، خُدا تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کام لینا ہے۔ چنانچہ

ؑ المتوفیٰ ۱۰ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ/ ۲۵ مئی ۱۸۶۶ء مدینہ منوّرہ

چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔" (امداد المشتاق، ص ۱۷۲، ۱۷۳، تذکرۃ الرشید ص ۸۵)

باطنی تصرّفات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

"یہ سب باطنی تصرّفات تھے، ورنہ ظاہری حیثیّت سے کسی صاحب کی ان میں سے بچنے کی کوئی صُورت نہیں تھی مگر قدرت کو اُن سے کام لینا تھا۔" (نقش حیات ص ۶۱/۲)

راؤ عبداللہ خاں صاحب کا کشف

جن دنوں حضرت حاجی صاحبؒ پنجلاسہ میں روپوش تھے۔ راؤ عبداللہ خاں صاحب (مُرید حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی شہیدؒ) کے مہمان تھے۔ وہ ایک صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اُن کا ایک کشف بیان فرماتے ہیں: راوی مولانا احمد حسن کانپوری ہیں۔

"فرمایا کہ راؤ عبداللہ خان مغرب کی نماز پڑھتے تھے، اپنے بیٹے امیر خاں کو پُکارنے لگے: امیر علی، امیر علی! میرے خاوند نے آج مجھ کو دکھایا ہے کہ حاجی میاں کو مسجد میں بند کر کے قفل لگا دیا ہے اور مولوی رشید احمد کے ہاتھ میں کتاب دے کر درس کو کہہ دیا ہے۔ یہ بات حاجی میاں کو کہہ دو کہ وہ اس کا مطلب سمجھ لیں گے۔ مینوں (بزبان پنجابی بمعنی مجھے) کچھ خبر نہیں ہے۔ اُن کا کشف پُورا نِکلا کہ مجھے تو مکہ مکرّمہ میں کہ اشرف المساجد ہے مقید کر دیا۔ ہند کا خیال بھی نہیں آتا، مولوی رشید احمد صاحبؒ کو کتاب دے کر مدرس بنا دیا۔ ہمیشہ احادیثِ نبویہؐ کا درس دیتے ہیں۔ فرمایا کہ راؤ عبداللہ خان اپنے پیر حاجی عبدالرحیم صاحب کو خاوند سے تعبیر کرتے تھے اور زبان پنجابی بولتے تھے۔"

(شمائمِ امدادیہ ص ۹۲)

دارالعلوم دیوبند: سحر گاہی دُعاؤں کا ثمرہ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اکابر علماء دیوبند نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اب فرنگی قوت اس قدر

بڑھ چکی ہے کہ کھُلی جنگ میں اُس کا مقابلہ مشکل ہے تو اُنھوں نے زیرِ زمین (UNDER GROUND) کام کا فیصلہ کرلیا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

قیام دارالعلوم (۱۲۸۲ھ) کے بعد حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج بیت اللہ کے لیے مکّہ معظّمہ میں حاضر ہوئے تو وہاں سیّدنا حضرت حاجی امداد اللہ رحؒ سے عرض کیا۔ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ اس کے لیے دُعا فرمایئے"۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے دِل چسپ انداز میں فرمایا:

"سُبحان اللہ آپ فرماتے ہیں، ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا، ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظِ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ انہی سحر گاہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔ یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولتِ گرانقدر کو یہ سرزمین لے اُڑی"۔ (عُلمائے حق ص۱۷)

"فقیر اسے اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے"

۱۲۹۷ھ میں قاسم العلوم حضرت مولانا محمّد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی وفات سے دارالعلوم کو غیر معمولی نقصان پہنچا تو شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے اپنے مسترشدین کے نام ایک ہدایت نامہ جاری فرمایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہٗ کی یہ تحریر گرامی دارالاہتمام دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہے۔ ہدایت نامہ کا متن یہ ہے:

"بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہٗ، اُن کی خدمت میں جو صاحب اس فقیر سے علاقہ محبّت اور ارادت اور قرابت رکھتے ہیں خواہ قرابت حسبی ہو یا نسبی۔ عرض ہے کہ مدرسۂ عربیہ دیوبند جو اس وقت میں اپنی خوبی سے نہایت رونق اور شہرت پر ہے۔ فقیر کو اس سے ایک علاقۂ خاص ہے بلکہ یہ مدرسہ اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے۔ اس جہت سے سب صاحب اس مدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھیں اور جو کچھ اعانت اس مدرسہ کی اپنی ذات سے ہوسکے یا سعی اور سفارش سے ممکن ہو، اس میں ہمیشہ ساعی رہیں اور نگرانی اس مدرسہ کی اپنے ذمّہ ضرور ہی سمجھیں کیونکہ اس آخری زمانے میں جو مقبولیت بارگاہِ الٰہی میں کارخانۂ علم کو ہے اور اَمر کو نہیں اور سب صاحب اس مدرسہ کے باب میں بلکہ ہر اَمر میں متّفق و یکدل و یک جہت ہوکر ہمّت فرمائیں کیونکہ اتّفاق اللہ جلّ شانہٗ کے نزدیک نہایت

مقبول اور ہر کام میں موجبِ انجامِ نیک ہے۔ فقط۔" (تاریخ دارالعلوم دیوبند سید محبوب رضوی ص۱۹۲)

ایک عالَم کو رنگ دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی قدس سرہٗ کو بے پناہ مقبولیت سے نوازا۔ اطرافِ عالم سے خلقِ خدا انبوہ در انبوہ ان کے حلقے میں داخل ہوئی۔

"انوار العاشقین" میں ہے:

"حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا فیضان جاری ہوا کہ اکثر ممالکِ اسلامیہ ہندوستان و عربستان و ترکستان وغیرہ میں آپ کے خلفا پہنچے اور ارشادِ طریقت اور اشاعتِ اسلام و تعلیمِ سلوک سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مصروف ہوئے، ایک عالم کو رنگ دیا۔" (ص۸۳)

حرمین شریفین میں تو اُن کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا ـــــ مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی رحؒ فرماتے ہیں:

"حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بے شمار ہر دیار و امصار میں ہیں۔ متأخرینِ چشتیہ صابریہ میں (باوجود قیامِ مکّہ معظّمہ کے کہ وہاں حاضر ہوکر شہرت کا ہونا نادر ہے) حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی منجملہ آپ کے خلفاء کے حضرت بقیۃ السّلف حجۃ الخلف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحؒ اور حضرت مولانا محمدؐ قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا محمدؐ یعقوب صاحب نانوتوی رحؒ مسلّم علماء اور صلحاء سے گزرے ہیں۔" (انوار العاشقین ص۸۶)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحؒ چاچڑوی فرماتے ہیں:

"حاجی امداد اللہ صاحب کہ بزرگے ست کامل، زندہ است۔ بعدازاں فرمودند کہ اکثر علمائے جیّد از دیوبند و دہلی و سہارنپور و گنگوہ از مُریدان حاجی صاحب

ہستند و مولوی رشید احمد گنگوہیؒ نیز مرید و خلیفۂ اکبر مولوی موصوف است و دیگر خلفاء وے ہم بسیار اند چنانچہ مولوی محمدّ قاسم صاحب و محمد یعقوب صاحب رحؒ " (مقابیس المجالس : ج ۲ ص ۴۳)

وصال

حیاتِ عزیز کے تقریباً چالیس برس مکّہ معظّمہ میں گزارنے کے بعد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲ یا ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء کو بروز بدھ صبح کی اذان کے وقت ۸۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ جنّۃ المعلیٰ مقبرۂ اہلِ مکّہ میں (جہاں اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے) مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکیؒ (م ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ یکم مئی ۱۸۹۱ء) کے پہلو میں سپردِ خاک کیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تصانیف

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے چند مختصر کتابیں اور رسالے بھی تحریر فرمائے تھے۔ جن میں سلوک و تصوّف کا رنگ غالب ہے۔ یہ سب آپ کے خاص اہتمام سے طبع ہوئیں۔

(۱) مثنوی مولانا رُوم کا حاشیہ فارسی زبان میں

(۲) غذائے رُوح : اُردو مثنوی ۱۲۶۴ھ

(۳) جہادِ اکبر : اُردو مثنوی ۱۲۶۸ھ

(۴) دردنامۂ غمناک : " "

(۵) تحفۃ العشّاق : " " ۱۲۸۱ھ

(۶) ضیاء القلوب : فارسی ۱۲۸۲ھ

(۷) ارشادِ مُرشد : اُردو ۱۲۹۳ھ

(۸) وحدۃ الوجود : فارسی ۱۲۹۹ھ

(۹) فیصلہ ہفت مسئلہ: اُردو ۱۳۱۲ھ

(۱۰) گلزارِ معرفت : اُردو کلام

(۱۱) مکتوبات فارسی و اُردو

"ضیاء القلوب" سلاسلِ طریقت چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ کے اذکار و مراقبات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب طالبانِ سلوک کے لیے خضرِ راہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کے آخر میں حضرت حاجی صاحبؒ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو خلافتِ عظمٰی سے سرفراز کرکے اپنا جانشین نامزد فرمایا ہے اور بہت دُعائیں دی ہیں۔ نیز اپنے تمام مُریدین و مسترشدین اور متوسّلین و منتسبین کو تاکیداً ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اس سلوک کو اُن کی خدمتِ بابرکت میں حاصل کریں جو اس کتاب میں مندرج ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی وہ الہامی تحریر ملاحظہ ہو۔

ہر کس کہ ازیں فقیر محبّت و عقیدت و ارادت دارد، مولوی رشید احمد سلمہٗ و مولوی محمّد قاسم سلّمہٗ را کہ جامع جمیع کمالاتِ علومِ ظاہری و باطنی اند بجائے من راقم اوراق، بلکہ بمدارج فوق از من شمارند، اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شُد کہ اوشاں بجائے من و من بمقامِ اوشاں شُدم و صحبتِ اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمتِ بابرکت ایشاں فیضیاب بُودہ باشند و طریقِ سلوک کہ دریں رسالہ (ضیاء القلوب) نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمائند۔ انشاء اللہ بے بہرہ نخواہند ماند۔ اللہ تعالےٰ در عُمر شاں برکت دہاد و از تمامی نعماءِ عرفانی و کمالاتِ قربیتِ خود مشرّف گرداناد، و بمراتبات	جو صاحب اس فقیر سے محبّت و عقیدت و ارادت رکھتے ہیں وُہ مولوی رشید احمد صاحب سلّمہٗ اور مولوی محمّد قاسم صاحب سلّمہٗ کو جو تمام کمالاتِ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع ہیں، میری جگہ بلکہ مدارج میں مجھ سے فوق سمجھیں، اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہُوا کہ مَیں اُن کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں، اُن کی صحبت کو غنیمت سمجھیں کہ اُن جیسے لوگ اس زمانے میں نایاب ہیں اور اُن کی خدمتِ بابرکت سے فیضیاب ہوتے رہیں اور سلوک کے جو طریقے اس رسالہ (ضیاء القلوب) میں لکھے گئے ہیں، اُن کی خدمت میں حاصل کریں۔ انشاء اللہ تعالےٰ بے بہرہ نہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر میں برکت دے اور معرفت کی تمام نعمتوں اور اپنی قربیّت

عالیات رساناد، واز نُورِ ہدایتِ شاں عالم	کے کمالات سے مشرف فرمائے اور مرتباتِ عالیہ
رامنوّر گرداناد، وتا قیامت فیض اوشاں	تک پہنچائے اور اُن کے نُورِ ہدایت سے عالم کو
جاری داراد، وبحرمۃ النّبی وآلہ الامجادؐ	منوّر فرمائے اور حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے
(ص۶)	صدقے میں قیامت تک اُن کا فیض جاری رکھے

فیصلۂ ہفت مسئلہ (تالیف ۱۳۱۲ھ) کے آخر میں بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ عامۃ المسلمین اور خصوصًا اپنے متوسّلین کو ارشاد فرماتے ہیں۔

"اہلِ اللہ کی صحبت اختیار کریں۔ خصوصًا عزیزی جناب مولوی رشید احمد صاحب کے وجودِ بابرکت کو ہندوستان میں غنیمتِ کبرٰی و نعمتِ عظمٰی سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں۔" ص۱۳

خُلفاء کرام

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو بے پناہ مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائی - اکثر ممالکِ اسلامیہ میں آپ کے خُلفاءِ کرام پائے جاتے ہیں، جن کا احاطہ و شمار مشکل ہے - ذیل میں صرف برِّ صغیر پاک و ہند سے تعلّق رکھنے والے خُلفاءِ کرام کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے - اوّل دو خلفاءِ اعظم کے بعد اسماءِ گرامی بلحاظ حُروفِ تہجّی مندرج ہیں۔

- قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہیؒ - م ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ/ ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء　مدفن گنگوہ شریف
- حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ م ۴ جمادی الثانی ۱۲۹۷ھ　دیوبند
- حضرت مولانا سیّد ابوالقاسم ہنسوی فتچپوریؒ (نیز فیضیافتہ حضرت گنگوہیؒ) م ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ/ ۱۲ مارچ ۱۹۱۱ء
- حضرت مولانا سیّد احمد حسن صاحب امروہیؒ (تلمیذِ رشید حضرت مولانا محمّد قاسم نانوتویؒ) - م ۲۸، ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ　امروہہ

---

[1] حضرت حاجی صاحب قدّس سرہٗ ضیاءالقلوب کی تالیف (۱۲۸۲ھ) کے پچیس سال بعد اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا، ضیاءالقلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے، وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القاء ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے۔"　(مکتوبات ہدایت ص۱۸ ؛ شائع کردہ مدرسہ عربیہ نور محمّدیہ جھنجھانہ شریف)

- حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ (۱۰ سال تک مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس رہے پھر کانپور تشریف لے گئے) م ۱۳۲۲ھ — کانپور
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ / ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء — تھانہ بھون
- حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ (نیز مرید و خلیفہ حضرت میانجی منّے شاہؒ) م ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ — راندیر (گجرات)
- حضرت مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ (استاذ نظام دکن) م ۱۳۳۶ھ — حیدرآباد دکن
- حضرت مولانا شاہ بدر الدین پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ م ۱۶ صفر ۱۳۴۳ھ / ستمبر ۱۹۲۴ء — پھلواری
- حضرت مولانا جلیل احمد صاحب
- حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ (نیز مرید و خلیفہ حضرت محدث گنگوہیؒ) م ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء — دیوبند
- حضرت مولانا سید حمزہ دہلوی (تلمیذ حضرت محدث گنگوہیؒ) م ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ
- حضرت مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ (شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ) م ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ — ٹونک
- حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (نیز مرید و خلیفہ حضرت محدث گنگوہیؒ) م ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ — مدینہ منوّرہ
- حضرت مولانا سخاوت علی صاحب انبیٹھویؒ۔ ۱۲۸۳ تا ۱۲۸۹ھ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس رہے۔
- حضرت مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی مہاجر مکیؒ (حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ آپ سے ۱۳۵۷ھ میں بیعت و مجاز ہوئے۔)
- حضرت مولانا اشرف الحق صدیقی دہلویؒ (تلمیذ حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ) م ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ / ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء — دہلی
- حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوریؒ (سابق مرید و خلیفہ حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ) ۲۸ رمضان ۱۳۱۲ھ — رامپور منہاران ضلع سہارنپور
- حضرت مولانا سید عبدالحی چاٹگامیؒ (تلمیذ حضرت محدث گنگوہیؒ) م ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ — چاٹگام
- حضرت مولانا سید عبدالرحمٰن صاحب کاندھلویؒ۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ کو ہجرت کی۔ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی حیات میں وفات پائی۔
- حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ (تلمیذ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ) م ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ — امروہہ
- حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (سابق مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ) م ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ / ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء — رائپور
- حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (نیز مرید و خلیفہ ارشد حضرت اقدس گنگوہیؒ)۔ م ۱۹۰۱ء — میرٹھ
- حضرت مولانا عبداللہ صاحب انصاری انبہٹویؒ (داماد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) ۱۳۲۲ھ میں زندہ تھے۔
- حضرت مولانا شاہ عبداللہ صاحب جلال آبادیؒ (سابق مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ) م ۲۱ شوال ۱۳۴۳ھ / ۱۵ مئی ۱۹۲۴ء
- حضرت مولانا عبدالواحد صاحب بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ (سابق مرید و خلیفہ حضرت مولانا رفیع الدین مہتمم دارالعلوم دیوبند) م ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء — دیوبند

- حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب مالوی رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۱۳۰۵ھ بمبئی
- حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) م ۱۳۲۲ھ تھانہ بھون
- حضرت مولانا سید فدا حسین صاحب دربھنگویؒ (نیز فیضیافتہ حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ)
- حضرت مولانا قادر بخش صاحب سہسرامیؒ (تلمیذ حضرت مولانا عبد الحی صاحبؒ فرنگی محلی) م ۱۳۳۷ھ
- حضرت مولانا کرامت اللہ خاں صاحب دہلویؒ (تلمیذ قاسم العلوم نانوتویؒ) م ۱۹۲۸ء دہلی
- حضرت مولانا کرامت علی صاحب انبالوی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا محب الدین صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حاجی صاحبؒ کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ مکہ معظمہ
- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اجراوری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا حافظ محمد احمد بن قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ م ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء حیدرآباد دکن
- حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا محمد افضل صاحب بخاری مقیم آگرہ رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۱۹۳۲ء اکبرآباد
- حضرت مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۸ رجب ۱۳۲۲ھ اجمیر شریف
- حضرت مولانا محمد خلیل الرحمٰن رڑکوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ جنۃ البقیع مدینہ منورہ
- حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب پھلوارویؒ (سابقاً مرید خلیفہ شیخ علی حبیب پھلواروی) م ۳ صفر ۱۳۵۴ھ/ ۲۱ مئی ۱۹۳۵ء پھلواری (بہار)
- حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادیؒ (نیز خلیفہ حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ و حضرت قاسم العلوم نانوتویؒ) م ۳ شوال ۱۳۴۷ھ مرادآباد
- حضرت مولانا محمد عابد حسین صاحب دیوبندیؒ (سابقاً مرید و خلیفہ میانجی کریم بخش رامپوریؒ) م ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء دیوبند
- حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء لکھنو، سابقاً خلیفہ مرید خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی) م ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۲۷ء خانقاہ مونگیر (بہار)
- حضرت مولانا منشی محمد قاسم نیانگری (مرید و خلیفہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ)
- حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ م ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۸۸۴ء نانوتہ ضلع سہارنپور
- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تھانوی بن حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہما
- حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ (نیز خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ) م ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء دیوبند
- حضرت مولانا نواب محی الدین احمد خاں صاحب فاروقی مرادآبادیؒ (تلمیذ حضرت اقدس نانوتویؒ) م ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ مرادآباد
- حضرت مولانا محی الدین صاحب خاطر میسوری رحمۃ اللہ علیہ

- حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ (سابقاً مُرید و خلیفہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ) م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء گولڑہ
- حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شاہ نیاز احمد صاحب مکی رحؒ شوال ۱۳۵۳ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ کو دارالعلوم کے لیے چھ ہزار روپے مکہ مکرمہ میں عطا فرمائے۔
- حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحب لکھنویؒ (نیز مُرید و خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد محدّث گنگوہیؒ) ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ۔ کوڑہ جہان آباد لکھنؤ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ بلاشبہ شیخ العرب والعجم تھے اور بالاجماع امامِ وقت اور سرآمدِ روزگار شیخ طریقت تسلیم کیے گئے۔ آپ کے خُلفاء کرام بھی رجالِ عظیم اور اپنی اپنی جگہ مقبولِ عام تھے۔ اُنھوں نے برّصغیر پاک و ہند کو شریعتِ محمّدیہ اور سُنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے انوار و برکات سے معمور کر دیا۔ بالخصوص آپ کے خلفاء اعظم قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہما کے ذریعے اس سلسلے کے فیوض برّصغیر کے حدود سے نکل کر دُنیا کے کونے کونے تک پہنچے مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور سعادتِ دُنیوی و نجاتِ اُخروی کی راہ پائی۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور اُن کے خلفاء کرام کا طُرّۂ امتیاز اُن کا مسلکِ حق و اعتدال ہے۔ اُنھوں نے مُسلمانوں میں فرقہ بندی کے تصوّرات کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا اور اتحاد بین المسلمین کے لیے عمر بھر کوشاں رہے۔ اُن کا نصب العین کافر گری نہیں مومن گری تھا۔ اُنھوں نے اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو عشق و محبت اور باہمی اُلفت و یگانگت کا درس دیا۔ لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا نے ان سے خشیتِ الٰہی اور حُبِّ نبوی کی نعمتِ بےبہا اور دولتِ لازوال پائی۔ بلاشُبہ ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی نے اس دَور میں اپنے علم و عمل سے صوفیائے متقدّمین اور عُلماء سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

احقر نفیس الحسینی

یکم صفر ۱۴۰۰ھ

قسط:۸

مضامینِ علمیہ

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادیٔ تدبر تفسیر" اور اصولِ حدیث میں "مبادیٔ تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

علاوہ ازیں بیہقی ہی نے المدخل الی السنن اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ

بينما عمران بن حصين يحدث عن سنة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم اذ قال له رجل يا ابا نجيد حدثنا بالقرآن فقال له عمران انت واصحابك تقرأون القرآن ؟ اكنت محدثي عن الصلاة ومافيها وحدودها ؟ اكنت محدثي عن الزكاة في الذهب والابل والبقر واصناف

اس دوران کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیٹھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے کہا اے ابونجید آپ ہمیں قرآن بیان کیجیے۔ آپ نے فرمایا تو اور تیرے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں ؟ کیا تو مجھے نماز اور نماز کے مافیہا اور اس کے حدود بتا سکتا ہے۔ کیا تو مجھے سونے اُونٹ گائے اور اموال کی دیگر اصناف میں زکوٰۃ

المال ؛ ولكنى قد شهدت وغبت انت

کی تفصیل بیان کرسکتا ہے لیکن میں موجود تھا اور تو غائب تھا۔

ثم قال : فرض علينا رسول صلّى الله عليه وسلّم فى الزكاة كذا وكذا ، فقال الرجل احييتنى احياك الله

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم پر زکوٰۃ اتنی اتنی فرض کی۔ اس شخص نے کہا آپ نے مجھے زندہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی زندہ رکھے

قال الحسن: فما مات ذلك الرجل حتى صار من فقهاء المسلمين

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعد میں وہ شخص مسلمانوں کے فقہاء میں سے ہوا، پھر اس کی وفات ہوئی۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں یہ روایت ذکر کی ہے جس میں تصریح ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ خود اس موقع پر موجود تھے۔

بينما نحن عند عمران بن حصين قال له رجل . . . الخ

بیہقی ہی ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

اذا حدثت الرجل بسنة فقال دعنا من هذا وانبئنا عن القرآن وفى رواية اجبنا عن القرآن فاعلموا انه ضال

جب تم کسی شخص کو کوئی حدیث سناؤ اور وہ کہے کہ یہ چھوڑو اور ہمیں قرآن سے خبر دو یا قرآن سے جواب دو تو جان لو کہ وہ شخص گمراہ ہے

اسی طرح بیہقی ذکر کرتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ

قال رجل عند مطرف بن عبد الله بن الشخير — احد كبار التابعين الأجلة: لا تحدثونا الا بما فى القرآن فقال مطرف انا والله ما نريد بالقرآن بدلا ولكن نريد من هو اعلم بالقرآن

ایک شخص نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ سے (جو کہ جلیل القدر کبار تابعین میں سے تھے) کہا کہ آپ ہمیں صرف قرآن میں سے بیان کیجیے۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا (حدیثوں سے) ہماری غرض قرآن کا متبادل حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ غرض ایسی ذات (سے قرآن اور اس کے اجمال کی تفصیل کو سمجھنا ہے) جو ہم سے زیادہ قرآن کی عالم ہے

منا۔ (یعنی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مطرف بن عبداللہ بن شخیر اور ایوب سختیانی رحمہما اللہ کے جوابات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ سائل یا معترض حدیث وسُنّت کی حجیت پر معترض ہوا تھا۔ اگر یہ اعتراض ہوگا کہ صحیح وضعیف حدیثوں میں امتیاز مشکل ہوگیا ہے تو یہ حضرات اس کے مطابق جواب دیتے۔

حاصل یہ ہے کہ امین احسن اصلاحی صاحب نے حدیث بیزاری کی جو وجہ بیان کی ہے وہ حقائق کے خلاف ہے۔ آخر یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ حدیث بیان کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین کا دَور ہے۔ معروف علمی حلقے موجود تھے۔ محتاط لوگ ان ہی میں جاکر حدیثیں سُنتے اور سیکھتے تھے۔ یہ سلسلہ صحابہ سے لے کر آج کے دَور تک چلا آیا ہے۔ اور ان ہی علمائے حق نے وضع حدیث کا مقابلہ اس کی ابتداء کے وقت ہی سے کیا۔ اور یہ وہ بات ہے جو کسی بھی سُنّت اور علوم حدیث کی تاریخ سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے۔

(۲) امین احسن اصلاحی صاحب نے جو قرآن بیزاری کی بات کی ہے وہ بھی غلط ہے اور حقیقت حال کے مخالف ہے اس ضمن میں جو اقوال اصلاحی صاحب نے نقل کیے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ اصلاحی صاحب نے نقل میں غلطی کی ہے بلکہ انھوں نے اصل غلطی ان کا مطلب سمجھنے اور سمجھانے میں کی ہے۔

"یحیٰی بن ابی کثیر رحمہ اللہ کے اس قول السنة قاضية على الكتاب کا یہ ترجمہ کرنا کہ سُنّت حاکم ہے کتاب اللہ پر اصلاحی صاحب کی اپنی اختراع ہے۔ کیونکہ علیٰ کے صلہ کے ساتھ قضاء کا مطلب یا تو موت ہوتا ہے یا کسی کے خلاف فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

فوكزه موسى فقضى عليه (موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو مُکا مارا اور اس کو قتل کردیا۔

ونادوا يا مٰلك ليقض علينا ربك (اور وہ پُکاریں گے کہ اے مالک (جہنّم کے داروغہ) چاہیے کہ آپ کا رَبّ ہمیں موت دے دے ان دونوں آیتوں میں قضاء موت کے معنیٰ میں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یحیٰی بن ابی کثیر رحمہ اللہ جیسے حضرت کا ان دونوں میں سے کوئی بھی معنیٰ مراد لینا نہیں ہوسکتا موت کا معنیٰ مراد نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے کسی کے خلاف فیصلہ کرنا اگر مُراد لیا جائے تو مذکورہ قول کا ترجمہ یُوں بنے گا کہ سُنّت کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرسکتی ہے اور کتاب اللہ سُنّت کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتی۔ اور اس میں کوئی شک و شُبہہ نہیں کہ کسی بھی اہل حق کا یہ نظریہ نہیں رہا ہے۔

اس عبارت کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو علّامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں

ذکر کیا ہے

قال الاوزاعی: الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب	امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ جتنی سُنّت کتاب اللہ کی محتاج ہے اس سے زیادہ کتاب اللہ سُنّت کی محتاج ہے۔
قال ابو عمر: یرید انها تقضی علیه و تبین المراد منه	ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ان کی مُراد یہ ہے کہ سُنّت کتاب پر قاضی ہے یعنی وہ کتاب اللہ کی مُراد کو بیان کرتی ہے۔

اسی طرح امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے

قال الاوزاعی: وذلک ان السنة جاءت قاضیة علی الکتاب - ای مفسرة مبینة له - ولم یجئ الکتاب قاضیا علی السنة	اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: سُنّت کتاب اللہ پر قاضی یعنی اس کی تفسیر اور بیان کرنے والی ہے۔کتاب اللہ سُنّت کی مفسّر اور مبین کے طور پر نہیں

(ص ۱۹ لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث)

پھر اگر یحیٰی بن ابی کثیر اور اوزاعی رحمہما اللہ کی یہی مراد نہ ہوتی جو ہم نے ابن عبد البر سے نقل کی ہے اور اس کا وہی معنی ہوتا تو خطیب بغدادی بھی اس کو نقل کر کے خاموشی سے نہ گزر جاتے اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی صرف یہ نہ کہتے کہ ما اجسر علی هذا ان اقوله ولکن السنة تفسر الکتاب وتعرف الکتاب وتبینه (مَیں یہ کہنے کی جسارت نہیں کرتا، البتّہ یہ کہتا ہوں کہ سُنّت کتاب اللہ کی تفسیر تعریف اور تبیین کرتی ہے) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر مذکورہ بالا قول کے معنی و مراد سے تو موافقت کی البتّہ تعبیر سے اختلاف کیا جس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ان الفاظ سے بعض سُننے والوں کو وہ وہم ہو سکتا ہے جو امین احسن اصلاحی صاحب کو ہُوا ہے۔

(۳) تعجّب کی بات ہے کہ "قرآن اور حدیث و سُنّت کے بارے میں غیر متوازن خیالات کا آغاز کس طرح ہُوا" کے عنوان کے تحت امین احسن اصلاحی صاحب نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں سُنّت و حدیث کے درمیان اس فرق کو بالکل نظر انداز کر گئے ہیں جو اُنھوں نے اس سے پہلے بڑے زور دے کر بیان کیا ہے اور پہلا پورا باب "حدیث

اور سُنّت میں فرق" کے عنوان ہی سے بیان کیا ہے۔ اس بات کو پیشِ نظر رکھ کر کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک سُنّت کا تعلّق صرف عملی زندگی سے ہوتا ہے اور اس کا ثبوت بھی فقط تواترِ عملی سے ہوتا ہے۔ ان کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے :

"یعنی ایک چیز کی مارکیٹ میں مانگ بڑھی تو رطب و یابس ہر چیز آنے لگی۔ لوگوں نے اس کے خلاف بیزاری کا اظہار کیا تو اس کے جواب میں ردِّ عمل کے طور پر اس کی حمایت کا غلو پیدا ہُوا یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن اور حدیث و سُنّت ایک دوسرے کی حریف ایک دوسرے کے مقابل میں لاکر رکھ دی گئیں"

ہم کہتے ہیں رطب و یابس سے تو ظاہر ہے سُنّت مُراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے لیے تو اصلاحی صاحب کے بقول تواترِ عملی شرط ہے اور اس شرط کے ہوتے ہُوئے رطب و یابس کا تحقق محال ہے۔ اس لیے اس سے مُراد حدیث ہی سے ہو سکتی ہے تو اصلاحی صاحب کی بات یُوں ہُوئی کہ حدیث کی مارکیٹ میں مانگ بڑھی تو رطب و یابس ہر قسم کی حدیثیں آنے لگیں۔ لوگوں نے حدیث کے خلاف بیزاری کا جو اظہار کیا تو اس کے جواب میں ردِّ عمل کے طور پر اس کی (یعنی حدیث کی) حمایت کا غلو پیدا ہُوا"۔

اس حد تک تو بات واضح ہے لیکن اس کے لیے چونکہ جو اقوال اصلاحی صاحب نے بطورِ دلیل و شہادت کے پیش کیے ہیں اُن میں حدیث کا نہیں سُنّت کا لفظ ہے اس لیے بڑی چابک دستی سے حدیث کے ساتھ سُنّت کا لفظ بھی بڑھا دیا اور کہا کہ "یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن اور حدیث و سُنّت ایک دوسرے کی حریف ایک دوسرے کے مقابل میں لاکر رکھ دی گئیں"۔ پچھلے جملوں میں جیسا کہ ہم نے تنبیہ کی بات چل رہی تھی حدیث کی۔

اس جملہ میں سُنّت کا لفظ عطف تفسیری کر کے داخل کر دیا۔ مزید بریں اصلاحی صاحب کے لفظ "دونوں چیزیں" غور فرمائیے اور پھر خود ان ہی کی کی ہُوئی تفسیر دیکھیے "یعنی قرآن اور حدیث و سُنّت" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز قرآن ہے اور دوسری ایک اور چیز حدیث و سُنّت ہے۔ اس طرح پہلے باب کے بالکل برعکس ـــــــــ یہاں اصلاحی صاحب نے حدیث و سُنّت کو مترادف بنا دیا اور یہ کوئی اسی ایک جگہ نہیں بلکہ اور کئی مقامات پر بھی وہ اسی قسم کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ اُن کے تضاد کی واضح و بین مثال ہے۔

ممکن ہے کہ اصلاحی صاحب کا کوئی شاگرد یہ کہے کہ خود اصلاحی صاحب کا یہ خیال نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر اور مکحول جیسے حضرات کے غلو فی الحدیث کی بنا پر ترادف کا ذکر کیا ہے کہ وہ حضرات سُنّت و

حدیث کے مابین فرق کرتے نظر نہیں آتے۔ جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ دونوں حضرات اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ صحیح بات کو نہ سمجھتے ہوں۔ اصلاحی صاحب نے اگر ان کی بات کو سمجھنے میں خطا کی ہے تو یہ اصلاحی صاحب کی کم فہمی ہے۔ ان حضرات کے علو فہم پر اس سے کوئی دھبہ نہیں لگتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ نے بھی تو یہاں سُنّت کا لفظ ہی استعمال کیا ہے کہ یُوں کہا "السنة تفسر الكتاب وتعرف الكتاب وتبينه" تو حدیث کہنے کے موقع پر سُنّت کا لفظ استعمال کر کے گویا امین اصلاحی صاحب کے نزدیک احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی خطا کی ہے۔ حالانکہ انہی کے بارے میں اصلاحی صاحب لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُمّت مسلمہ میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے غالی فتنہ پردازوں کے مقابل اُمّت کی ہمیشہ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی ہے، چنانچہ اس مرحلے میں بھی جب یہ فتنہ اُٹھا تو سب سے زیادہ خوبی کے ساتھ جس شخص نے اپنا فرض ادا کیا وہ حدیث کے سب سے بڑے راز دان اور سب سے بڑے خادم حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں" ص ۳۹

امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں

"اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ذرا بھی تعجب انگیز معلوم نہیں ہوتی کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چند ہزار حدیثیں پائی ہیں جن سے اُن کے مجموعے تیار ہوئے ہیں۔" (ص: ۱۳۸، مبادی تدبر حدیث)

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق یہ بات مشہور عوام و خواص ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو چند ہزار حدیثیں لی گئی ہیں۔ وہ لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چھانٹ کر لی گئی ہیں۔ ذرا اندازہ کیجیے ان عظیم خادمانِ حدیث کی اس محنتِ شاقہ کا جو رطب و یابس روایات کے انبار میں سے ان چند ہزار جواہر ریزوں کو چھانٹنے میں ان کو برداشت کرنی پڑی ہوگی ... الخ" (ص ۱۵۲ مبادی تدبر حدیث)

امین احسن اصلاحی صاحب کی ان عبارات سے پڑھنے والے کو جو تأثر ملتا ہے وہ یہ ہے، کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے زمانے میں جھوٹی اور ناقابلِ اعتبار حدیثوں کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ لاکھوں کی تعداد میں تھیں اور ان دونوں حضرات کو بہت ہی زیادہ محنت شاقہ کے بعد صرف یہ چند ہزار حدیثیں ملیں جو اُنھوں نے اپنی کتابوں میں درج کیں۔ اصلاحی صاحب تاریخ کو مسخ کرنے اور حدیث پر سے لوگوں کا اعتماد مجروح کرنے کی جو

چاہیں کوشش کرلیں، لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے ایسی کوششیں اور وہ چند افراد کو تو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں، لیکن تاریخی حقائق کو بدلنے پر قادر نہیں ہوسکے۔ تاریخی حقائق تو یہ ہیں۔

۱۔ ذکر النووی ایضاً قول البخاری فیما نقل عنہ احفظ مائۃ الف حدیث صحیح ومائتی الف حدیث غیر صحیح (صـ۹۳ توجیہ النظر)

نوویؒ نے بھی بخاری کا یہ نقل کیا ہوا قول ذکر کیا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔

۲۔ قول البخاری فیما نقلہ الحازمی والاسماعیلی "وما ترکت من الصحاح اکثر" (صـ۹۲ توجیہ النظر)

حازمی اور اسماعیلی نے بخاری کا یہ قول نقل کیا کہ جو صحیح حدیثیں مَیں نے (اپنی کتاب میں) ہیں ذکر نہیں کیں وہ (ذکر کی ہوئی سے) زیادہ ہیں۔

۳۔ روی عن البخاری انہ قال: ما ادخلت فی کتابی الجامع الا ما صح وترکت جملۃ من الصحاح خشیۃ ان یطول الکتاب (صـ۹۱ توجیہ النظر)

امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ "میں نے اپنی کتاب جامع میں صرف صحیح حدیثیں درج کی ہیں اور مَیں نے صحیح حدیثوں کا ایک بڑا مجموعہ اس خوف سے درج نہیں کیا کہ کتاب بہت طویل ہوجائے گی۔

۴۔ روی عن مسلم انہ لما عوتب علی ما فعل من جمع الاحادیث الصحاح فی کتاب وقیل لہ ان ھذا یطرق لاھل البدع علینا فیجدون السبیل بان یقولوا اذا احتج علیھم بحدیث لیس ھذا فی الصحیح قال انما اخرجت ھذا الکتاب وقلت ھو صحاح ولم اقل ان مالم اخرجہ من الحدیث فی ھذا الکتاب فھو ضعیف

امام مسلم کے اس فعل پر کہ ایک کتاب میں صحیح احادیث جمع کیں جب عتاب کیا گیا اور کہا گیا کہ اس سے تو اہلِ بدعت کو یہ طریقہ ہاتھ آجائے گا کہ جب اُن کے خلاف کسی حدیث سے استدلال کیا جائے گا تو کہیں گے یہ (کتاب) صحیح میں نہیں ہے تو مسلم رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ مَیں نے اس کتاب میں حدیثیں نقل کیں اور کہا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور یہ نہیں کہا کہ جو حدیث مَیں نے اس کتاب میں نقل نہیں کی وہ صحیح نہیں ہے۔

۵۔ قال (مسلم فی صحیحہ) لیس کل شئ

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ ایسا نہیں ہے

عندی صحیح وضعته ههنا انما وضعته ههنا ما اجمعوا علیه۔
(ص۴۴/۲ فتح الملہم)

کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے اس کو مَیں نے اس کتاب میں درج کیا ہے۔ یہاں تو مَیں نے صرف وہ حدیثیں جمع کی ہیں جن پر (میرے اساتذہ کا) اتّفاق ہوا۔

۶۔ نقل عن الامام احمد انه قال صح من الحدیث سبعمائة الف وکسر وهذا الفتی یعنی اباززعة قد حفظ سبعمائة الف

امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صحیح حدیثیں سات لاکھ سے زائد ہیں اس جوان یعنی ابوزرعہ کو سات لاکھ حدیثیں حفظ ہیں۔

مذکورہ بالا حوالجات سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ نے ایسے نہیں کیا جیسا کہ امین حسن اصلاحی صاحب تأثر دینا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کا یہ انتخاب صحیح احادیث کے مجموعہ میں سے تھا۔

البتہ اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ باقی صحیح احادیث کہاں ہیں؟
اس کے جواب میں مختلف نکات ہیں۔

(۱) ان کثیرا من المتقدمین کانوا یطلقون اسم الحدیث علی ما یشمل آثار الصحابة والتابعین وتابعیهم وفتاواهم

بہت سے متقدمین صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار اور فتاویٰ پر اسم حدیث کا اطلاق کرتے تھے۔

(۲) ویعدون الحدیث المروی باسنادین حدیثین وحینئذٍ یسهل الخطب و ... حدیث ورد من مائة طریق فاکثر وهذا حدیث انما الاعمال بالنیات نقل مع ما فیه عن الحافظ ابی اسماعیل الانصاری الهروی انه کتب من جهة سبعمائة من اصحاب روایة یحیی بن سعید الانصاری۔

اور وہ حدیث جو دو سندوں سے مروی ہو اس کو دو حدیثیں شمار کرتے تھے اس وقت معاملہ آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ کتنی ہی حدیثیں ہیں جو سو یا اس سے بھی زائد طرق سے مروی ہیں، اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے بارے میں حافظ ابو اسماعیل انصاری ہروی کہتے ہیں کہ مَیں نے یحییٰ بن سعید انصاری سے سات سو نقل کرنے والوں سے لکھی۔

وقال الاسماعیلی عقب قول البخاری "لم اخرج فی هذا الکتاب الا صحیحا وما ترکت من الصحیح اکثر" انه لو اخرج کل حدیث صحیح عنده لجمع فی الباب الواحد حدیث جماعة من الصحابة ولذکر طرق کل واحد منهم اذا صحت فیصیر کتابا کبیرا جدا۔

امام بخاری کا یہ قول کہ مَیں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیث درج کی اور جو صحیح حدیثیں مَیں نے ذکر نہیں کیں وہ زیادہ ہیں اس کے بارے میں اسماعیلی کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے نزدیک ہر صحیح حدیث کو ذکر کرتے تو ایک باب میں بہت سے صحابہ کی حدیث اور ان میں سے ایک کے طرق ذکر کرتے تو اس طرح تو یہ کتاب بہت ہی بڑی بن جاتی۔

ومما یرفع استغرابك لما نقل عن ابی زرعة من انه کان یحفظ مائة و اربعین الف حدیث فی التفسیر ان النعیم فی قوله تعالی ولتسألن یومئذٍ عن النعیم قد ذکر المفسرون فیه عشرة اقوال کل قول منها یسمی حدیثا فی عرف من جعله بالمعنی الاعم وان الماعون فی قوله تعالٰی ویمنعون الماعون قد ذکروا فیه ستة اقوال کل قول منها ما عدا السادس یعد حدیثا کذلك ۔

ابوزرعہ کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ اُن کو تفسیر میں ایک لاکھ چالیس ہزار حدیثیں یاد تھیں تو تعجب کو دُور کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ارشاد الٰہی ولتسالن یومئذ عن النعیم میں نعیم کے بارے میں مفسرین نے دس قول نقل کیے ہیں اور ان لوگوں کے عرف میں جو حدیث کا معنی اعم لیتے ہیں۔ ہر قول حدیث کہلاتا ہے، اسی طرح ارشادِ الٰہی و یمنعون الماعون میں ماعون کے بارے میں چھ قول ذکر کیے ہیں۔ جن میں سے سوائے چھٹے کے ہر قول اسی طریقے پر حدیث کہلاتا ہے ۔

جب یہ بات واضح ہو چکی تو اب جاننا چاہیے کہ امام بخاری کا جو یہ قول ہے کہ مجھے دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں تو غیر صحیح سے مُراد جھوٹی یا ناقابلِ اعتبار نہیں ہیں بلکہ اس سے فقط یہ مُراد ہے کہ ان میں صحیح کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ اپنی تقریب میں لکھتے ہیں۔

واذا قیل صحیح فهذا معناه رای

جب کہا جاتا ہے "صحیح" تو اس کا مطلب ہے کہ

اتصل سنده مع الاوصاف المذكورة)	جس کی سند متصل ہو اور صحیح کی دیگر شرائط بھی
لانه مقطوع به واذا قيل	اس میں موجود ہوں اور جب کہا جاتا ہے "غیر صحیح"
غير صحيح فمعناه لم يصح اسناده	تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرط مذکور کے
(على الشرط المذكور)	مطابق اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

جب وہ روایت وحدیث صحیح لذاتہ نہیں ہے تو اس میں صحیح لغیرہ حسن لذاتہ، حسن لغیرہ مرسل اور ضعیف ہونے کا امکان ہے۔ اور ان میں سے پہلی چار قسمیں تو قابلِ احتجاج اور مقبول ہی ہیں۔

اب ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کر کے رطب و یابس روایتوں کا انبار کہنا بڑی نا انصافی ہے۔

بقیہ اسلامی تاریخ

هذا غاية العدل والانصاف -	یہ انتہائی درجہ کا عدل و انصاف ہے بلکہ اِس
بل غاية الاحسان وهى درجة	کو غایت درجہ کا احسان کہنا چاہیے اور یہ
وراء العدل فرحم الله هذه	درجہ انصاف سے بھی بالاتر ہے۔ خداوند
النفس الزكية الطاهرة	عالم اس مقدس نفس پر رحمت کی بارشیں
المنقادة للحق الموافقة	نازل کرے جو حق کے سامنے اس طرح سرِ تسلیم
معه -	خم کرتا ہے۔ آمین۔

اعلانِ داخلہ

المعراج الیکٹرو ہومیوپیتھی میڈیکل کالج پراسپکٹس فری جوابی لفافہ بھیج کر منگوالیں۔ کورس ڈی۔ای۔ایچ۔ایم ـــ بی، ای، ایچ، ایم ـــ ڈی، ڈی، ایس، سی ڈاک کورس طلبہ وطالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔

دو طریقے اپنائے ہیں (۱) ریگولر کلاسز (۲) بذریعہ خط و کتابت۔ تعلیم بذریعہ ڈاک

پتہ | المعراج الیکٹرو ہومیوپیتھی میڈیکل کالج کریم پارک نزد ایجنسی سیپسی کولا لاہور۔ المعراج فری ہسپتال کریم پارک نزد ایجنسی سیپسی کولا لاہور

نوٹ | وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد

مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

حقِ ایجاد اور حقِ طباعت و اشاعت کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین

تعارف

اس موضوع پر ہمیں دو قسم کے اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان حقوق کی خرید و فروخت ناجائز ہے اور اس کے قائل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہما اللہ ہیں۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں لکھتے ہیں:

"منجملہ ان رسوم کے بعض مصنفین اور اہل مطابع کا حق تالیف یا تحشیہ بیچنا یا خریدنا اور رجسٹری کرانا ہے چونکہ حق محض شرعاً مملوک نہیں جیسا کہ اہل حدیث و فقہ پر ظاہر ہے اس لیے اس میں کوئی تصرف مالکانہ کرنا اور دوسروں کو اس سے منتفع ہونے سے روکنا سب حرام اور معصیت ہے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ جواہر الفقہ میں حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اپنی کسی تصنیف یا ایجاد کو رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی مباح تصرف سے روکنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا یہ تصرف کسی

غیر کی ملک میں بلا اس کی اجازت کے ہو۔ دوسرے یہ کہ اس تصرف سے کسی شخص یا جماعت کا ضرر ہوتا ہو۔ اور مسئلہ زیر بحث میں یہ دونوں وجہ مفقود ہیں۔ اوّل تو اس لیے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا یا ایجاد کو بنانے مصنّف یا موجد کی کسی ملک میں تصرف نہیں کرتا بلکہ کتابت خود کراتا ہے۔ کاغذ خود مہیّا کرتا ہے، طباعت وغیرہ کی اُجرت خود دیتا ہے اور نقل کرنے کے لیے جو کتاب لیتا ہے۔ وہ بھی خرید کر یا کسی دوسرے مباح طریقہ سے۔ رہا حق تصنیف سو نہ وہ کوئی مال ہے نہ ملکیت کی صلاحیت رکھتا ہے، البتہ موجودہ دَورِ حکومت نے جس طرح اور بہت سی ناحق چیزوں کا نام حق رکھ دیا ہے، اس میں یہ حق تصنیف و ایجاد بھی داخل ہے اور وجہ ثانی اس لیے مفقود ہے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا مصنّف کو یا کسی دوسرے شخص کو شائع کرنے سے نہیں روکتا جو موجب ضرر ہو، البتہ دوسری جگہ شائع ہوجانے سے مصنّف یا موجد کی گراں فروشی کے غلو کا انسداد ہوتا ہے کہ اس کی من مانی منفعت پر لوگ مجبور نہیں ہو سکتے۔ سو اوّل تو یہ ضرر نہیں عدم النفع بلکہ تقلیل النفع اور ضرر اور عدم نفع میں فرق ظاہر ہے"۔ (ص ۳۳۵ ج ۲)

"اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ اپنی تصنیف یا ایجاد کو اپنے لیے مخصوص کرنے کا مصنّف یا موجد کو کوئی حق نہیں ہے تو خرید و فروخت بھی شرعًا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خرید و فروخت کے لیے مال ہونا شرط ہے اور حق مجرد کوئی مال نہیں ہوتا۔ اگرچہ ذریعہ مال بن سکتا ہو۔ (ص ۳۳۸ ج ۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ ان حقوق کی خرید و فروخت جائز ہے۔ جواز کے قائلین میں مولانا مفتی عبدالغنی رحمہ اللہ سابق مفتی مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ (صاحب فتاوی رحیمیہ) مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اور (بقول مولانا تقی عثمانی صاحب) مولانا شیخ فتح محمد لکھنوی (تلمیذ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی) رحمہما اللہ وغیرہ حضرات ہیں جواز کے قائلین نے اپنے دلائل پیش کیے ہیں اور خصوصًا مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنے مقالہ بیع الحقوق المجردۃ میں بڑی تفصیل سے اُصولی طور پر حقوق کی مختلف اقسام بیان کیں اور اُن کے احکام ذکر کیے اور پھر تفریع کے طور پر حق ایجاد و تصنیف اور حق اشاعت و طباعت کی خرید فروخت کے جواز پر دلائل دیے اور مانعین کے دلائل ذکر کر کے اُن کا جواب دیا۔

ہمیں جواز کے قول سے اتّفاق نہیں ہے۔ للذا ہم اپنے مقالہ میں پہلے قائلینِ جواز کے دلائل ذکر کر کے اُن کا مدلّل جواب پیش کرتے ہیں۔ واللہ الولی وھو یھدی السبیل۔

قائلین جواز اور اُن کے دلائل

(۱) حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ کا فتوی فتاوی رحیمیہ میں منقول ہے۔ اس فتوی کا خلاصہ یہ ہے۔

"اگر حقِ طباعت کو غیر متقوم اور مباح الاصل مان لیا جائے تب بھی ایسی کتاب جس کے ساتھ مصنّف کی مالی منفعت یا تجارتی مفاد وابستہ ہو تو اس کو ہر کس و ناکس کا بلا اجازتِ مصنّف طبع کرنا جائز نہیں، کیونکہ بعض افعال ایسے ہیں کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں، لیکن اگر ان کے کرنے میں دوسرے شخص کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو اُن کی اباحت ساقط ہو جاتی ہے اور وہ ممنوع شرعی بن جاتے ہیں۔ مثلاً ایک مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے، لیکن پیغام پر پیغام دینا ممنوع ہے۔ یعنی اگر ایک مسلمان مرد نے ایک ہم کفو مسلمان عورت کو اپنے نکاح کا پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کا کچھ رجحان بھی پایا جائے تو جب تک وہ عورت انکار نہ کر دے۔ دوسرے کسی مسلمان کے لیے یہ مباح فعل جائز نہ ہوگا۔ نھٰی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان یخطب الرجل علی خِطبة اخیہ . . .

کسی مصنّف کی کتاب جو اس کی شب و روز کی شدید محنت کے بعد معرضِ وجود میں آتی ہے اس کو طبع کرنے کا سب سے پہلا حق خود مصنّف کو حاصل ہے اور اُس کا مقصد علم کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ہی مصنّف کے لیے مالی منفعت کا حصول بھی ہے تو جب تک مصنّف کا حق اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسروں کا حق اس کے ساتھ متعلّق نہ ہوگا . . .

اب رہا یہ سوال کہ حقِ طباعت کا معاوضہ لینا مصنّف کے لیے جائز ہے یا نہیں ؟ حقوقِ مجردہ میں سے وہ حقوق جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی یا وہ تحصیل مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ محض دفعِ ضرر کے لیے اثباتِ حق ہوتا ہے۔ مثلاً حق شفعہ کو سوءِ جار سے مامون رہنے کے لیے یہ حق دیا گیا ہے۔ بے شک ایسے حقوق کا معاوضہ لینا جائز نہیں، لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ صاحبِ حق کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلّق ہوتی ہے۔ مثلاً حق وظائف یعنی شاہی مناصب تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا یا مال کے معاوضہ میں حق سے دستبردار ہونا جائز ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے حقِ خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری دے کر معاوضہ قبول فرما لیا تھا۔ (الاشباہ والنظائر للحموی)

اسی طرح کتاب کا حق طباعت جبکہ اس کے ساتھ مصنّف کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق ثابت بالاصالہ ہے اور مصنّف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے۔

(فتاوی رحیمیہ، ص ۲۴۲، ج ۳)

ہم کہتے ہیں کہ اس فتوی کی بنیاد غالباً یہ ہے کہ مصنّف کو محض حقِ طباعت حاصل ہونے سے ہی دوسرے

وگوں کے لیے طباعت کی اباحت ساقط ہو جاتی ہے۔ صاحب فتویٰ نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ سقوط شرعی ہے
ور انھوں نے اس کو پیغام نکاح کے قبیل سے بتایا ہے، لیکن ان دونوں حقوق کے درمیان بہت فرق ہے، لہٰذا
دونوں کا ایک حکم سمجھنا صحیح نہیں ——— پیغام نکاح میں اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں کہ عورت کا نکاح ایک
وقت میں فقط ایک مرد سے ہو سکتا ہے یا تو پہلے پیغام دینے والے سے یا دوسرے سے جبکہ حق طباعت میں کوئی
حسی یا معنوی رکاوٹ نہیں ہے جو ایک کے طبع کرنے کے بعد دوسرے کے طبع کرنے سے مانع ہو۔ صرف ایک تقلیل
منافع کا خطرہ ہے، لیکن جیسا کہ ہم آگے کلام کریں گے۔ یہ کسی بھی طور سے یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کی بنا پر
دوسروں کے لیے ایک مباح الاصل ممنوع شرعی بن جائے۔ اور اگر اسکے ضرر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ دفع ضرر کے لیے اثبات
حق کی صورت بنے گی اور ایسے حق پر کسی بھی طریقے سے معاوضہ لینا جائز نہیں۔

(۲) حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے مقالہ بیع الحقوق المجردۃ میں بیان کرتے ہیں کہ حقوق خواہ وہ
شرعی ہوں (یعنی وہ حقوق جو شارع کی جانب سے ثابت ہوں اور قیاس کا ان کے ثبوت میں کچھ دخل نہ ہو) یا عرفی
ہوں (یعنی وہ حقوق جو عرف کی وجہ سے ثابت ہوں اور شارع اُن کو برقرار رکھے) دو قسم پر ہیں۔

اوّل: وہ حقوق جن کی مشروعیت اُن کے اصحاب سے دفعِ ضرر کے لیے ہو۔

دوم: وہ حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً ہو۔

پھر وہ حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً ہو، ان کی ایک قسم حق اسبقیت یا حق اختصاص ہے یعنی وہ
حق جو کسی شخص کو کسی مباح شے پر دیگر لوگوں سے پہلے قبضہ کرنے کی بناء پر حاصل ہو۔

حقِ اسبقیت کی خرید و فروخت کے بارے میں مولانا مدظلہ فرماتے ہیں۔

"فخلاصة الحكم في بيع حق الاسبقية انه	حق اسبقیۃ کی بیع کے حکم کا خلاصہ یہ
وان كان بعض الفقهاء يجوزون هذا	ہے کہ اگرچہ بعض فقہاء اس بیع کو جائز کہتے ہیں
البيع ولكن معظمهم على عدم جوازه ولكن	لیکن اکثر فقہاء اس کو جائز نہیں مانتے، البتہ
يجوز عندهم النزول عنه بمال على	اُن کے نزدیک بھی صلح کے طور پر مال کے عوض
وجه الصلح"	میں اس حق سے دست برداری جائز ہے۔

آگے مولانا مدظلہ حق تصنیف (حق ایجاد) اور حق طباعت (حق اشاعت) کے بارے میں اپنے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

"حق ایجاد ایک ایسا حق ہے جو عرف اور قانون کی بنیاد پر اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے کوئی نئی

چیز ایجاد کی یا کسی چیز کی نئی شکل ایجاد کی حق ایجاد کا مطلب یہ ہے کہ تنہا اسی شخص کو اپنی ایجاد کردہ چیز بنانے اور منڈی میں پیش کرنے کا حق ہے پھر بسا اوقات ایجاد کرنے والا یہ حق دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے تو اس حق کو خریدنے والا ایجاد کرنے والے کی طرح تجارت کے لیے وہ چیز تیّار کرتا ہے اس طرح جس شخص نے کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کی ہے اسے اس کتاب کی نشر و اشاعت اور تجارتی نفع حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔ بسا اوقات کتاب لکھنے والا یہ حق دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے تو اس حق کا خریدار نشر و اشاعت کے بارے میں ان حقوق کا مالک ہو جاتا ہے جو مصنّفِ کتاب کو حاصل تھا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق ایجاد اور حق تصنیف و حق اشاعت کی فروختگی جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ میں فقہائے معاصرین کی دو رائیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے اسے جائز کہا ہے اور کچھ نے ناجائز۔

اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا حق ایجاد یا حق اشاعت شریعت اسلامیہ کی طرف سے تسلیم شدہ حق ہے ؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے کوئی نئی چیز ایجاد کی خواہ وہ مادی چیز ہو یا معنوی چیز بلا شُبہہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اسے اپنے انتفاع کے لیے تیّار کرنے اور نفع کمانے کے لیے بازار میں لانے کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ ابو داؤد اسمر بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پاس حاضر ہو کر بیعت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس چیز کی طرف سبقت کی جس کی طرف کسی مُسلمان نے سبقت نہیں کی ہے وہ چیز اس کی ہے۔

علّامہ مناویؒ نے اگرچہ اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ حدیث افتادہ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے بارے میں آئی ہے ، لیکن اُنھوں نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ہر چشمہ ، کنواں اور معدن کو شامل ہے اور جس شخص نے ان میں کسی چیز کی طرف سبقت کی تو وہ اسی کا حق ہے ۔ اس بات میں کوئی شُبہہ نہیں کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے سبب کے خاص ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق ایجاد ایک ایسا حق ہے جسے اسلامی شریعت اس بُنیاد پر تسلیم کرتی ہے کہ اس شخص نے اس چیز کے ایجاد کرنے میں سبقت کی ہے تو حق ایجاد پر وہی سارے احکام منطبق ہوں گے جو ہم نے حق اسبقیت کے بارے میں ذکر کیے ہیں وہاں ہم نے تحقیق کی ، بعض شافعیہ اور حنابلہ نے اس حق کی بیع کو جائز کہا ہے ، لیکن ان حضرت کے یہاں بھی راجح یہی ہے کہ اسبقیت کی بیع جائز نہیں ہے ، لیکن مال کے بدلہ میں اس حق سے دست بردار ہونا جائز ہے اور وہاں ہم نے شرح منتہی الارادات سے بہوتی کی وہ عبارت بھی

نقل کی ہے حق تحجیر اور حق جلوس فی المسجد سے دست برداری کے جواز کے بارے میں ہے اور اس کے علاوہ حق اسبقیت اور حق اختصاص کے دوسرے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ حق ایجاد یا حق اشاعت سے عوض لے کر دوسرے شخص کے حق میں دست بردار ہونا جائز ہے لیکن یہ حکم اصل حق ایجاد اور حقِ اشاعت کے سلسلہ میں ہے اگر اس حق کا حکومتی رجسٹریشن بھی کرالیا گیا ہو۔ جس کے لیے موجد اور مصنّف کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ مال اور وقت خرچ کرنا پڑتا ہے اور جس کی وجہ سے یہ حق ایک قانونی حق ہو جاتا ہے جس کا انجام حکومت کی طرف سے دیے گئے سارٹیفکٹ کی صورت میں ہوتا ہے اور تاجروں کے عرف میں اسے قیمتی مال شمار کیا جاتا ہے، تو یہ بات بعید نہیں ہو گی کہ اس رجسٹرڈ حق کو مروج عرف کی بنیاد پر اعیان و اموال کے حکم میں کر دیا جائے اور ہم پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ بعض اشیاء کو اموال و اعیان کے حکم میں داخل کرنے میں عرف کا بڑا کردار ہے۔ اس لیے کہ مالیت لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور رجسٹریشن کے بعد اعیان کی طرح اس حق کا احراز بھی ہوتا ہے اور وقتِ ضرورت کے لیے اس کا ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے تو اس عرف کا اعتبار کرنے میں کتاب و سنّت کے کسی نص کی ممانعت نہیں ہے بہت سے بہت قیاس کی مخالفت ہے اور قیاس کو عرف کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے"۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے کلام کا حاصل یہ تین نکات ہیں

(۱) حق ایجاد و تصنیف و اشاعت ایسا حق ہے جو عرف اور قانون کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔

(۲) اسے شریعت اسلامیہ اس بنیاد پر تسلیم کرتی ہے کہ اس شخص نے اس چیز کی ایجاد و تصنیف میں سبقت کی ہے اور اس پر حق اسبقیت کے تمام احکام منطبق ہوں گے۔

(۳) جب موجد و مصنّف محنت کر کے اور مال و وقت خرچ کر کے اس حق کی حکومتی رجسٹریشن کرا لیتا ہے اور اس کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتا ہے تو چونکہ یہ سرٹیفکیٹ تاجروں کے عُرف میں قیمتی مال شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بعید نہیں کہ مروج عرف کی بنیاد پر اس کو اعیان و اموال کے حکم میں سمجھا جائے۔

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

حضرت مولانا محمدّ منیر نانوتوی رحمہ اللہ کا تقوٰی

حضرت مولانا محمد منیر رحمہ اللہ (م) مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہما اللہ کے بھائی، جہادِ آزادی کے سرگرم کارکن مجاہد اور دارالعلوم دیوبند کے چوتھے مہتمم تھے، امانت و دیانت اور زہد و تقوٰی میں آپ کا پایہ بڑا بلند تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے آپ کے تقوٰی کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمدّ منیر صاحب مدرسۂ دیوبند کے مہتمم تھے، ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی سالانہ کیفیّت چھپوانے کے لیے دہلی آئے، اتّفاق سے روپے چوری ہوگئے، اور مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطّلاع نہیں کی، اور مکان پر آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیّت چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطّلاع اہلِ مدرسہ کو ہوئی۔ اُنھوں نے مولانا گنگوہیؒ کو واقعہ لکھا اور حکمِ شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدّی کے ضائع ہوا ہے۔ اس لیے وہ ان پر ضمان نہیں، اہلِ مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجیے اور مولانا کا فتوٰی دکھلایا۔ مولوی صاحب نے فتوٰی دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں ؟ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو

دیکھیں اگر اُن کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے، جاؤ لے جاؤ اس فتوے کو میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا"[1]

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا فتویٰ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (کاندھلویؒ) جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو پہلے مالک کو سب چیزیں دکھلا دیا کرتے تھے، اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے لہٰذا تم مالک سے اجازت لے لو"[2]

اس واقعہ سے اُن لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو سرکاری گاڑیوں میں کسی نہ کسی حیلے سے ڈھیروں سامان بغیر کسی کرایہ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور اُس پر فخر کرتے ہیں،

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ کا تقویٰ

قاری محمدؐ علیم انصاری بحوالہ شیخ محمدؐ ابراہیم حسنؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں حضرت کے پاس بیٹھا تھا، آپ نے ایک خط لکھا اور اس انتظار میں تھے کہ کوئی خادمِ خاص نظر پڑے تو اُس سے ڈاک میں ڈلوا دیا جائے، کسی مستفید یا شاگرد نے حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا "لائیے یہ خط میں ڈال آؤں" اور بے حد اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا "مَیں تم سے یہ کام لینا نہیں چاہتا، کیونکہ تمہارا تعلق میرے ساتھ تعلیم کا ہے میرا حقِ استادی سمجھ کر تم یہ خط ڈاک میں ڈالو گے، میرے نزدیک یہ بھی ایک گونہ رشوت ہے، اس کے بعد لِوَجْهِ اللہ تعلیم کا خلوص باقی نہیں رہے گا، لہٰذا مَیں تم سے یہ معمولی کام لے کر اپنا ثواب بھی کیوں ضائع کروں"[3]

---

[1] حکایات اولیاء ص ۴۵۲

[2] حکایات اولیاء ص ۲۱۳ [3] تزکرۂ رحمانیہ ص ۱۹۸

حضرت گنگوہیؒ اور اتباعِ سُنّت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بہت متبع سُنّت تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سُنّت ہے۔ دیکھیں حضرتؒ ان دونوں سُنّتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں (لکڑی کی چپل) پر رکھا جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھنٹی انگوٹھے میں ڈالی، اس کے بعد بائیں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی ــــــ سُبحان اللہ کیسا دونوں سُنّتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے"[1]

اخلاص و للّٰہیت کی اعلیٰ مثال

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

"مفتی الٰہی بخش صاحبؒ (م ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے تھے، اپنے زمانہ کے نامور صاحبِ فتویٰ و تدریس اور صاحبِ تصنیف تھے، کامل طبیب تھے، اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ دستگاہ اور عربی و فارسی اور اُردو نظم پر اُستادانہ قدرت رکھتے تھے، ....

مفتی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت تھے، اخلاص و للّٰہیت کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ شیخِ وقت ہونے کے وجود ۵۶ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جواں سال خلیفہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے جو مفتی صاحب سے تقریباً

---

[1] حکایات اولیاء، ص ۳۲۴

۳۸ سال چھوٹے تھے، اور اس سن وسال اور بزرگی و شہرت کے باوجود آپ سے استفادہ کرنے میں تأمّل نہیں کیا۔[1]

اس واقعہ سے اُن لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو چھوٹوں سے استفادہ تو بہت دُور کی بات ہے اُن کی صحیح اور جائز بات ماننے کے لیے بھی تیّار نہیں ہوتے۔

احترامِ شریعت

مولانا ضیاء الدین سنّامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۰۹ھ/ ۱۳۰۹ء) اپنے وقت کے متشرع، متقی اور دیانت دار عالم تھے۔ غالباً حکومت کی جانب سے احتساب کا کام ان کے سُپرد تھا، احتساب کے آداب ودقائق پر اُنھوں نے ایک کتاب "نصاب الاحتساب" کے نام سے لکھی تھی، آپ احتساب میں بڑی شدّت سے کام لیتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندر رحمہما اللہ (م ۷۲۴ھ/ ۱۳۲۳ء) کے ہمعصر تھے۔ ذیل میں ہم مولانا سنّامیؒ کے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ احتساب اور ان دونوں بزرگوں کے احترامِ شریعت کے واقعات پیش کر رہے ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں

"ایک مرتبہ شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتیؒ (م ۷۲۴، / ۱۳۲۳ء) کے لب مبارک کے بال بہت بڑھ گئے تھے، کسی کو اتنی مجال نہ ہوئی تھی کہ اُن سے کترنے کو کہتا، مولانا ضیاء الدین سنّامیؒ قینچی لے کر اُن کے پاس پہنچے اور ڈاڑھی سے پکڑ کر لبوں کو تراش دیا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا بیان ہے کہ

"بعد ازاں شیخ ہمیشہ محاسنِ خود را بوسیدے و گفتے کہ ایں در راہِ شریعت	اس کے بعد شیخ ہمیشہ اپنی ڈاڑھی کو بوسہ دے کر فرماتے تھے کہ یہ راہِ

---

[1] حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص۴۳ مولانا علی میاں صاحب، "سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ ص۲۸ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں "مصنّف حالات مشائخ کاندھلہ" کی تحریر کے مطابق اس وقت مفتی صاحب کی عمر ۷۱ سال سے متجاوز تھی، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۱۶۲ھ کی ہے اور سیّد صاحب کی کاندھلہ تشریف آوری ۱۲۳۴ھ میں ہوئی۔"

محمدی گرفتہ شدہ است۔" شریعت میں پکڑی گئی ہے،

میر عبدالواحد بلگرامی نے ایک اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ مولانا سنّامی جب پہلی بار احتساب کی نظر سے قلندر صاحب کے پاس گئے تو اُنھوں نے دو تین بار تیز نگاہ سے آن کی طرف دیکھا، لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب مولانا سنّامی چلے گئے تو لوگوں نے قلندر صاحب سے کہا کہ آج تو شیخ ضیاء نے آپ پر بڑی سختی کی، فرمایا

"دو سہ بار خواستم کہ اورا بزنم۔ آو ذرۂ شریعت پوشیدہ است تیرِ مَن درو اثر نہ کرد۔"[1] دو تین بار میں نے چاہا کہ اس پر حملہ کروں لیکن اس نے شریعت کی زرہ پہن رکھی ہے میرے تیر نے اس پر اثر نہیں کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ (مولانا ضیاء الدین سنّامی) دیانت و تقویٰ میں مقتداء وقت اور شرعی احکام پر مضبوطی سے کاربند تھے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہمعصر تھے اور آپ سے سماع کے متعلق ہمیشہ احتساب کرتے رہتے تھے اور آپ معذرت و انقیاد کے سوا پیش نہ آتے تھے اور مولانا کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے تھے ــــ "نصاب الاحتساب" آپ کی مشہور کتاب ہے جو احتساب کے دقائق اور قواعد کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی بدعات اور احکامِ سُنّت (کے بیان) پر حاوی و مشتمل ہے

منقول ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ مولانا ضیاء الدینؒ کے مرض الوفات میں اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنی دستار شیخ المشائخ کے لیے راستہ میں بچھوادی (تاکہ آپ اس پر چل کر آئیں) شیخ نے دستار زمین سے اُٹھاکر آنکھوں سے لگالی جب شیخ المشائخ مولانا کے پاس پہنچے تو مولانا نے شرم کے مارے آنکھیں نہیں ملائیں، شیخ اُٹھ کر باہر تشریف لائے ہی تھے کہ مولانا کی وفات کا شور مچ گیا، شیخ افسردہ ہو کر رونے لگے اور فرمایا

"یک ذات بود حامیِ شریعت حیف کہ آن نیز نماند۔"[2] ایک حامی شریعت ذات تھی، افسوس کہ وہ بھی نہ رہی،

---

[1] اخبار الاخیار و سبع سنابل بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۲۷۷ [2] اخبار الاخیار فارسی ص۱۰۹ طبع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : مجموعہ رسائل قاسمی

مؤلف : مولانا ضیاء القاسمی

صفحات : ۴۱٦

سائز : ۳٦×۲۳/۱٦

ناشر : مکتبہ قاسمیہ اے بلاک غلام محمد آباد فیصل آباد

قیمت : ۱۱۲

مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ فن خطابت کے حوالے سے ملک و بیرون ملک معروف ہیں۔ خطابت کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی شغل رکھتے ہیں۔ مختلف موضوعات سے متعلق متعدد رسائل آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب "مجموعہ رسائل قاسمی" میں انہی رسائل کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا کے حسب ذیل گیارہ رسالے ہیں۔ (۱) مناظرہ شیفیلڈ (۲) التحقیق النادر فی مسئلۃ الحاضر والناظر (۳) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۴) تیجا شریف (۵) موافقات عمر رضی اللہ عنہ (٦) اربعین (۷) سراجاً منیراً (۸) میرے شیخ القرآن (۹) ابوظبی میں آخری دیدار (۱۰) معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱) خطبۂ جمعہ

ان رسائل میں سے اکثر کا تعلق شرک و بدعت کی تردید سے ہے اور انداز مناظرانہ ہے۔ یہ رسائل پہلے علیحدہ علیحدہ شائع ہوتے رہے ہیں مرتب نے اُن ہی کا عکس لے کر اس مجموعہ میں شائع کیا ہے۔ اگران

رسائل کو جدید اندازِ کتابت کے مطابق نئی کتابت اور معیاری پروف ریڈنگ کے ساتھ شائع کیا جائے تو بہتر ہوگا، نیز آئندہ طباعت کے وقت رسالہ "اربعین" کو سب سے پہلے لگایا جائے، کیونکہ اس میں چالیس احادیث مُبارکہ مذکور ہیں جن کا شروع میں ہونا ہی زیبا ہے۔

مولانا کے رسائل کا یہ مجموعہ طلباء اور عوام کے لیے یکساں مفید ہے۔ عمدہ کاغذ اور ڈائی دار جلد کے ساتھ مناسب نرخ پر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب : عقیدۂ امامت اور حدیثِ غدیر
مصنّف : مولانا محمود اشرف صاحب
صفحات : ۹۸
سائز : ۳۶×۲۳ / ۱۶
قیمت : درج نہیں
ناشر : مکتبہ دارالعلوم کراچی

"عقیدۂ امامت" اہلِ تشیع کے ہاں ایک بُنیادی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ مذہب کا دارومدار ہی اسی عقیدے پر ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس سے شیعہ وسُنی کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو جاتی ہے، کیونکہ شیعہ حضرات منصب امامت کو منصب نبوّت سے افضل قرار دیتے ہیں اور اس عقیدے کے تحت بارہ اماموں کو انبیا سابقین سے افضل سمجھتے ہیں اور ان بارہ اماموں کو وہ اختیارات تفویض کرتے ہیں جو خاص اللہ تعالیٰ کے اختیارات ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

اس عقیدے کے اثبات میں شیعہ حضرات بزعم خویش قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، زیر تبصرہ کتاب عقیدۂ امامت سے متعلّق ایک استفسار کے جواب میں تحریر کی گئی ہے جو حضرت مولانا محمود اشرف صاحب نے تحریر کی ہے۔

آپ نے اپنی اس کتاب میں بڑے خُوب صُورت انداز کے ساتھ شیعہ حضرات کے عقیدۂ امامت کی حقیقت کو واضح فرما کر ان کے استدلالات کا مسکت جواب دیا ہے۔ آپ کا انداز انتہائی ناصحانہ و دلکش ہے، اور عقیدۂ امامت کو سمجھنے اور اس کے مستدلات کے جواب کے لیے عمدہ کاوش ہے، خُوب صُورت کتابت د

طباعت عمدہ کاغذ اور جلد کے ساتھ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔قارئین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

○

نام کتاب : آبشار حکمت

مصنّف : حافظ محمد رفیق

صفحات :/۲۴۰

سائز $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$

قیمت : /۱۰۰

ناشر : کشمیر بک فاؤنڈیشن ۹۸۴- سی کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور۔

زیر تبصرہ کتاب "آبشار حکمت" میں مصنّف نے چھ سو سے زیادہ اقوالِ حکمت درج کیے ہیں جن میں لوگوں کے لیے مفید ہدایات پائی جاتی ہیں۔کتاب کا انداز ادبی ہے جو عمدہ حکایات اور تمثیلات سے مزیّن ہے آج کل چونکہ تحقیق کا دور ہے اس لیے مصنّف اگر اقوال وحکایات کے بیان میں حوالجات ذکر کرتے تو اچھا ہوتا، ممکن ہے یہ اعتذار پیش کیا جائے کہ ادبی کتاب ہے کوئی تحقیقی کتاب نہیں اس لیے حوالے نہ بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں کسی حد تک یہ اعتذار درست ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حوالجات کی موجودگی سے کتاب میں ایک وزن پیدا ہو جاتا ہے اور وہ آگے استدلال میں پیش کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

بہر کیف یہ کتاب ادبی لٹریچر میں مصنّف کی ایک عمدہ کاوش ہے جس سے ہر سطح کا آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے، کتابت وطباعت عمدہ ہے۔ٹائیٹل پر کتاب کے نام کی مناسبت سے آبشار بنائی گئی ہے۔

صفحہ ۹۷ - ۱۵۸ اور ۱۵۹ پر آیات و احادیث کی تصیح نہایت ضروری ہے۔آئندہ ایڈیشن میں اس کا خیال رکھا جائے۔ ن ــــــ د